اهل السنة

Ahl Us Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

August 2023
اگست ۲۰۲۳ء

قرآن کی دعوتی تسخیر اور مغرب کی پریشانی

جنتی صحابی، حواریٔ رسول زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا ترکہ

علماء کے قیمتی لباس اور حلال مال پر نکتہ چینی کرنا خوارج کا کام ہے

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد صحابہ وتابعین وغیرہم کے اقوال

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
139
نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

کوئی شخص بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ مجھے پیارا نہیں

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى سُوقٍ مِنْ أَسْوَاقِ الْمَدِينَةِ، فَانْصَرَفَ فَانْصَرَفْتُ، فَقَالَ :أَيْنَ لُكَعُ -ثَلَاثًا -ادْعُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ .فَقَامَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يَمْشِى وَفِى عُنُقِهِ السِّخَابُ، فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، فَقَالَ الْحَسَنُ بِيَدِهِ هٰكَذَا، فَالْتَزَمَهُ فَقَالَ:اَللّٰهُمَّ إِنِّى أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ، وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :فَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَىَّ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، بَعْدَ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں مدینہ کے بازاروں میں سے ایک بازار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ نبی کریم ﷺ واپس ہوئے تو میں پھر آپ کے ساتھ واپس ہوا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا بچہ کہاں ہے؟ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ حسن بن علی کو بلاؤ۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آ رہے تھے اور ان کی گردن میں (خوشبودار لونگ وغیرہ کا) ہار پڑا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اس طرح پھیلایا کہ (آپ حسن رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگانے کے لیے) اور حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ہاتھ پھیلایا اور وہ نبی کریم ﷺ سے لپٹ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر اور اُن سے بھی محبت کر جو اِس سے محبت رکھیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بعد کوئی شخص بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ مجھے پیارا نہیں تھا۔[صحيح البخاری:٥٨٨٤]

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

قال أبو هريرة:”ما رأيت الحسن إلا فاضت عيني“

ابوہرہ رضی اللہ عنہ فرماتے:”کہ میں نے جب بھی حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا (فرطِ محبت سے) میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے“ [مسند أحمد ط الرسالة:٥١٨/١٦:و إسناده حسن]

Ahlus Sunnah

Volume No.11, Issue No.139, August, 2023

ماہنامہ

اگست ۲۰۲۳ء

جلد: ١١
شمارہ: ١٣٩

فی شمارہ Rs. 40/-
سالانہ Rs. 400/-

اھل السنة Ahlus Sunnah

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی   نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر : خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبید الرحمٰن مدنی ● شیخ نورالحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبرشپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اهل السنة

Ahlus Sunnah

اتباع الکتاب والسنة بفهم سلف الأمة

قرآن کی دعوتِ تسخیر اور مغرب کی پریشانی	رشید سمیع سلفی	05
جنتی صحابی، حواریٔ رسول زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا ترکہ	کفایت اللہ سنابلی	09
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد صحابہ وتابعین وغیرہم کے اقوال	حسان بلرام پوری	11
تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما (بیسویں قسط)	کفایت اللہ سنابلی	14
جائز اور ناجائز لباسوں کو پہچاننے کے ضوابط	مامون رشید سلفی	22
علماء کے قیمتی لباس اور حلال مال پر نکتہ چینی کرنا خوارج کا کام ہے	کفایت اللہ سنابلی	32
مدینہ کا سفر	حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی	33
زانیہ حاملہ کی زنا کرنے والے کے ساتھ شادی (قسط ثالث)	کفایت اللہ سنابلی	36
محرّم الحرام کی بے حرمتی وغیر شرعی رسومات..............	فرزانہ صالحاتی	40
شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ کا تعاقب (قسط اول)	حافظ اکبر علی اختر علی سلفی	46

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

قرآن کی دعوتی تسخیر اور مغرب کی پریشانی

رشید سمیع سلفی

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی آویزش ابتدائے آفرینش سے جاری ہے، حق و باطل کے درمیان کشمکش کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے، اسلام کے تئیں بغض و نفرت کا لاوا بُری طرح پک رہا ہے، اس بغض وعداوت کا اظہار مختلف صورتوں میں کیا جاتا ہے، کبھی محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے، کبھی اسلام کی تعلیمات کے تئیں ہرزہ سرائی کی جاتی ہے، کبھی قرآن کے نسخے کو پھاڑ کر اپنی عداوت کا ثبوت دیا جاتا ہے، کبھی اہانت آمیز کارٹون بنا کر خبث باطن کا اظہار کیا جاتا ہے۔

جن ممالک میں یہ اوچھی حرکتیں انجام دی جاتی ہیں وہاں اس قسم کے عناصر کی پشت پناہی بھی کی جاتی ہے، ان کو تحفظ اور قانونی پناہ حاصل ہوتی ہے، جبکہ اسلام اہل ایمان کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کے مذہب، معبود اور پیغمبر کی شان میں گستاخانہ کلمات کا اظہار کریں، یہ اسلام کا امتیاز ہے، اسی لیے ہتک عزت اور گستاخی کی واردات مسلمان انجام نہیں دیتے، ردِّعمل اور جوابی کارروائی میں بھی وہ اس سطح پر نہیں گرتے، اس لیے کہ دوسرے مذاہب کے احترام کی اسلامی تعلیم پر وہ عمل پیرا ہوتے ہیں، مگر بُرا ہو آزادئ فکر ورائے کے علمبردار حکومتوں کا جنھوں نے گستاخی اور ہتک عزت کو آزادئ اظہار رائے کے خانے میں رکھ کر نہ صرف اس کی خاموش اجازت دیتے ہیں بلکہ خاطیوں پر کارروائی نہ کر کے ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں، اس لیے مغرب میں کثرت سے اسلام کے خلاف گستاخی کے واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

عیدالاضحیٰ کی مبارک ساعت پر سویڈن میں قرآن پھاڑنے اور نذر آتش کرنے کا جو اشتعال انگیز واقعہ پیش آیا ہے اس پر پورے عالم اسلام میں میں غم وغصہ کی لہر ہے، تقریباً تمام مسلم ممالک نے اس واقعے کی مذمت کی ہے، سویڈن اور دوسرے یورپی ممالک میں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی یورپی ممالک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے دلخراش حرکتوں میں ملوث رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر مغرب کو اسلام سے پریشانی کیوں ہے؟ وہ گاہے بگاہے اپنے خبث باطن کا اظہار کر کے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟

درحقیقت یہ مغرب کی بوکھلاہٹ ہے، یہ مسیحیوں کا مذہبی ردِّعمل ہے، یہ لوگ مغرب میں اسلام کی بڑھتی ہوئی

مقبولیت سے خائف ہیں، اسلام کی دعوتی فتوحات سے لرزاں وترساں ہیں، جمہوری دور کی سازگار ذہنی فضا اسلامی دعوت کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی ہے، نت نئے دن لوگ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، مساجد اور دعوہ سینٹرز وجود میں آرہے ہیں، ویلز یونیورسٹی کے محقق کیون بروس کے مطابق ہر سال ۵۲۰۰/افراد صرف برطانیہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پائی جانے لگی ہے، انگلینڈ میں تقریباً ساڑھے سات ملین، فرانس میں پانچ ملین اور جرمنی میں چار ملین سے زائد مسلمان موجود ہیں، ان بڑے ممالک کے علاوہ اسپین، اٹلی، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، یونان وغیرہ میں بھی مسلمان بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، سلسلہ جاری وساری ہے، مسلمان پورے اسلامی تشخص اور تہذیبی شناخت کے ساتھ ہر میدان میں ان ممالک میں اپنا وجود تسلیم کرارہے ہیں، سویت یونین کے زوال اور کمیونزم کی بساط الٹنے کے بعد اگر کوئی ہمہ جہت اور ٹھوس نظام عیسائیت ومغربیت کو چیلنج کرسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے، عالمی منظرنامہ بتارہا ہے کہ صدیوں کی ذلت ونکبت کے بعد اسلام پھر سے انگڑائی لے رہا ہے، ایک نئے دور کا آغاز ہورہا ہے، ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے لوگوں کے دلوں اور ضمیروں پر اسلام کمندیں ڈال رہا ہے، ایک امریکی تحقیقاتی ادارے نے بتایا ہے کہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے اور ۲۰۵۰ تک اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا، ان تجزیوں نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین ہلا دی ہے، اب یہ اسلام دشمن کچھ نہیں کرسکتے تو پروپیگنڈہ کے ذریعہ اسلام کے خلاف نفرت کی مہم چلا رہے ہیں، اسلاموفوبیا پیدا کرکے اسلام کے خلاف فضا کو ہموار کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ ردِّعمل اسلام کے لیے مزید دعوتی فضا کو ہموار کررہا ہے، کیونکہ یہ دور تعلیمی وتحقیقی مزاج کا دور ہے، لوگ ہر مسئلے اور واقعے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، نائن الیون کے بعد سے جس اسلام کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کی گئی تھی وہ اسلام اس واقعے کے بعد مزید مقبول ہوا، اسلام کے بارے میں تجسس نے اسلام کے مطالعہ کی طرف ذہنوں کو آمادہ کیا، لائبریریوں سے قرآن کے نسخے ختم ہوگئے، اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔

اسلام کے تئیں اس زمینی سچویشن نے مغرب کو چراغ پا کردیا ہے، وہ بوکھلاہٹ میں جو ردِّعمل دے رہا ہے، اس سے دعوت کی زمین مزید ہموار ہورہی ہے، لگتی ہے کوئی ٹھوکر تو بڑھتا ہے قدم اور...... اس لیے اہل اسلام کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، صورتحال کو سمجھ کر حکمتِ عملی اپنانے کی ضرورت ہے، وہ قرآن کو پھاڑ رہے ہیں، کلامِ الٰہی کو نذر آتش کررہے ہیں، اللہ کا کلام مزید دلوں کو فتح کرے گا اور اس کی بے پناہ تاثیر ان کے ایوانوں میں نقب لگارہی ہے، اس وقت اگر مسلمان کچھ کرسکتے ہیں تو اپنی زندگیوں میں تعلق بالقرآن کو زندہ کریں، رجوع الی القرآن کی تحریک

چلائیں، قرآن کی حقانیت کو منظر عام پر لائیں، قرآن کی ان آیات اور گوشوں کو منظر عام پر لائیں جو قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں، یہ سچ ہے کہ میڈیا نے قرآن کی منفی تصویر پیش کی ہے، اسے انسانیت مخالف تعلیمات کا علمبردار ظاہر کیا ہے، اسے دہشت اور خونریزی کا حامل بتلایا ہے، لہٰذا اس میڈیائی زہر کا تریاق ہمیں فراہم کرنا ہوگا، ان مغالطات کو دلائل سے رفع کرنا ہوگا، ان منصف مزاج غیر مسلموں کے بیانات کو ہائی لائٹ کرنا ہوگا جنہوں نے قرآن کی عظمت وحقانیت کا اظہار اپنے الفاظ میں کیا ہے، چند دیانتدار غیر مسلمین کے بیانات ہم سطور ذیل میں ذکر کررہے ہیں، کہتے ہیں کہ:

" **الفضل ماشهدت به الأعداء**" ''فضیلت اسے حاصل ہے جس کی شہادت دشمن دیں''۔

چنانچہ نپولین بوناپارٹ نے کہا:

''میرا یقین ہے کہ قرآن پاک کے قوانین ہی انسانیت کے لیے سچے اصول ہیں اور نسلِ انسانی کی فلاح قرآن پاک کے نظام حیات میں ہے''۔

یہ الفاظ اس کے ہیں جو قرآن پر ایمان نہیں رکھتا ہے، سچ کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے، دوسرے حوالے کی طرف آتے ہیں، پروفیسر کارلائل کے الفاظ قرآن کے بارے میں یہ ہیں:

''میرے نزدیک قرآن کریم میں خلوص وسچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور یہ بالکل سچ اور کھلی حقیقت ہے کہ اگر خوبی پیدا ہوسکتی ہے تو اسی سے ہوسکتی ہے''۔

اس قبیل کے سیکڑوں حوالے جمع کئے جاسکتے ہیں جو غیروں کی شہادت سے متعلق ہیں، انہوں نے قرآن کو پڑھ کر ایمانداری سے اپنے تاثرات نقل فرمائے ہیں، یہ قرآن کی غیر معمولی عظمت اور اس کی صداقت ہے، قرآن کی صداقت کی ایک بڑی دلیل دراصل وہ سائنسی رموز ہیں جن کی تصدیق موجودہ دور میں سائنس خود کررہی ہے، ''جنین'' کے بارے میں پروفیسر ''کیتھ مور'' کی قرآنی بیانات کی تائید میں لکھی گئی کتاب اور ان کے تبصرے اور کائنات کے بارے میں سائنسی حقائق سے قرآن کا حد درجہ میل کھانا قرآن کی صداقت پر ایک انمٹ برہان ہے جو قیامت تک سائنسدانوں کو حیرت میں ڈالتا رہے گا، ''ایٹم'' کے بارے میں قرآن کے نظریات کو پڑھیں گے تو آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے، قدیم اور جدید دونوں کو قرآن نے سمیٹ لیا ہے، چنانچہ پروفیسر گیری (ترکی) لکھتے ہیں:

بعثتِ محمدی ﷺ سے بہت پہلے دنیا میں ایٹم (ذرہ) کے متعلق ایک معروف نظریہ (Theory of Atom) موجود تھا۔ اس نظریہ کی تشکیل میں یونانی فلاسفہ خصوصاً ڈیموکرائیٹس (Democritus) کی کاوشوں کا بڑا ہاتھ رہا

ہے۔ تاآنکہ بعد میں آنے والی نسلوں میں اس نظریہ کو مسلم الثبوت واقع کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ وہ نظریہ کیا تھا؟ یونانی فلسفہ کی رو سے ہر مادی شے کچھ چھوٹے چھوٹے اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ اجزاء (ذرات) اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ہماری قوتِ بینائی ان کا ادراک نہیں کر پاتی، اور یہ ناقابلِ تقسیم ہوتے ہیں۔ عربوں کے یہاں بھی ایٹم کا یہی تصور رائج تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ آج بھی عربی زبان میں ذرہ کے لفظ کا کسی بھی مادی شے کے ادنیٰ ترین جز پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن جدید سائنس کی رو سے کسی بھی شے کا چھوٹے سے چھوٹا جز (ذرہ) بھی عنصری خصوصیات کا حامل ہوا کرتا ہے۔ یہ جدید نظریہ جس کے واقعاتی شواہد موجود ہیں دورِ حاضر کی پیداوار ہے، اور عصرِ حاضر سے پہلے اس کا وجود علمی دنیا میں ناپید تھا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ موجودہ دور کی اس دریافت(Discovery)) کا تذکرہ چودہ صدی قبل نازل شدہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾

’’کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے، نہ اس سے چھوٹی نہ بڑی، جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو‘‘ [یونس:٦١]

قرآن میں کے بارے میں یہ چشم کشا بیانیہ یقیناً قرآن کی صداقت کو درشاتا ہے، یہ صرف ایک نمونہ ہے، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں اہلِ علم نے قرآنی شواہد کے ضمن میں پیش کی ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے پہلو ہیں جو قرآنی اعجاز کا حصہ ہیں، جو ان حقائق کا ادراک رکھتے ہیں وہ قرآن کا احترام کرتے ہیں اور اسے انسانیت کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، آج جبکہ قرآن کے تئیں غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، قرآن مخالف پروپیگنڈہ زوروں پر ہے، اہلِ ایمان کو قرآن کی عظمت وصداقت وسیع پیمانے پر عام کرنے اور اس کی تعلیمات وہدایات کی نفع بخشی وافادیت سے دنیا کو آگاہ کرنیکی ضرورت ہے، دنیا میں صرف متعصب نہیں رہتے بلکہ ایک بڑی تعداد انصاف پسند اور غیر جانبدار نفوس کی بھی ہے، یہ روشن حقائق جب ان کے روبرو ہونگے تو ان کا ضمیر قرآن کی عظمت تسلیم کیے بغیر نہیں رہے گا، مغرب میں آج زیر زمین یہی ہوا چل رہی ہے جس سے کفر چراغ پا ہے۔

اسلام زمانے میں، دبنے کو نہیں آیا — تاریخ سے یہ مضموں، ہم تم کو دکھا دیں گے
اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے — اُتنا ہی یہ ابھرے گا، جتنا کہ دبا دیں گے

☆☆☆

جنتی صحابی، حواریٔ رسول زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا ترکہ

کفایت اللہ سنابلی

حواریٔ رسول زبیر رضی اللہ عنہ کی جب اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے شادی ہوئی تھی تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ غلام، اسماء رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

”تزوجني الزبير، وما له في الأرض من مال ولا مملوک، ولا شيء غير ناضح وغير فرسه“

”زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس ایک اونٹ اور ان کے گھوڑے کے سوا روئے زمین پر کوئی مال، کوئی غلام، کوئی چیز نہیں تھی“ [صحيح البخاري رقم: ٥٢٢٤]

لیکن بعد میں حالات بدلے اور زبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العالمین نے غلام وزر اور زمین وجائداد سے مالا مال کر دیا چنانچہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث کے اخیر میں زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے ترکہ کی مقدار ان الفاظ میں مروی ہے:

”فجميع ماله خمسون ألف ألف، ومائتا ألف“ ”ان کا ترکہ پانچ کروڑ دو لاکھ (50,200,000) تھا“۔[صحيح بخاری:۔ كتاب فرض الخمس: باب بركة الغازي في ماله حيا وميتا......حديث نمبر:٣١٢٩]

آج کے حساب سے یہ رقم کتنی ہوگی اس کے لیے موٹا موٹا حساب لگاتے ہیں تا کہ اندازہ کرنے میں آسانی ہو۔

اگر یہ دینار کی رقم مانی جائے تو آج کے حساب سے یہ رقم:

تیرہ بلین امریکی ڈالر (13,00,00,00,000) سے زائد ہوگی۔

اور انڈین کرنسی میں ایک لاکھ کروڑ روپے (10,00,00,00,00,000) سے زائد ہوگی۔

اگر ترکہ کو درہم کی شکل میں مانیں تو آج کے حساب سے یہ رقم:

ایک سو چالیس ملین امریکی ڈالر (14,00,00,000) سے زائد ہوگی۔

اور انڈین کرنسی میں گیارہ سو کروڑ روپے (11,00,00,00,000) سے زائد ہوگی۔

نوٹ: اگر ترکہ کو دینار کی رقم مانیں تو یہ رقم بہت زیادہ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ترکہ سے بھی بڑھ جاتی ہے اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ تعداد درہم کی ہوگی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

”وهـذا بالنسبة لتركة الزبير...... قـليـل جدا فيحتمل أن تكون هذه دنانير وتلك دراهم لأن كثرة مال عبد الرحمٰن مشهورة جدا “

”اور یہ رقم زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کے بالمقابل بہت کم ہے لہٰذا احتمال اس بات کا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا ذکر دینار کے حساب سے ہو اور زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا ذکر درہم کے حساب سے ہو کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مالداری بہت زیادہ مشہور ہے“ [فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة:۲۳۵/۹]

لیکن یہ توجیہ درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بڑی رقم کا ذکر دینار ہی کے حساب سے ہوتا ہے، اس لیے دونوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہما کے ترکہ کا ذکر دینار ہی کے حساب سے ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ترکہ کم اس لیے تھا کیونکہ وہ صدقہ خیرات بہت زیادہ کیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی حیات میں ہی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور فقراء و مساکین کے تعاون کے لیے اپنی بڑی بڑی جائداد فروخت کی ہے۔

علاوہ بریں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قرض لے کر فوت نہیں ہوئے جبکہ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت بڑی مقدار میں دوسرے لوگوں کی امانت بھی تھی جسے انہوں نے صاحب امانت کی مرضی سے قرض کی شکل دے دی تھی تا کہ اس کی حفاظت میں دشواری نہ ہو جیسا کہ یہ بات مذکورہ حدیث میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ:

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

”فيه رد علىٰ من كره جمع الأموال الكثيرة من جهلة المتزهدين “

”اس حدیث میں ان جاہل اور دو نمبری زاہدین کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ زیادہ مال جمع کرنا ناپسندیدہ ہے“ [فتح الباری لابن حجر:۲۳۵/٦]

ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن الجوزی رحمہ اللہ کی اس بات پر تعاقب نقل کیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جو ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہی ہے، ابن الجوزی رحمہ اللہ کی بات کے دلائل کو مزید تفصیل سے دیکھنے کے لئے ان کی کتاب ”تلبیس ابلیس: ص:۱۵۸ تا ص:۱٦۷ ملاحظہ فرمائیں۔

میرے خیال سے ہر طالب علم کو ابن الجوزی رحمہ اللہ کی یہ مکمل بحث ضرور پڑھنی چاہئے۔

☆☆☆

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد صحابہ وتابعین وغیرہم کے اقوال

حسان بلرام پوری

تاریخِ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو امیہ کے ایسے افراد بکثرت مل جائیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

انہی عظیم الشان ہستیوں میں سے ایک عظیم، روشن اور عبقری شخصیت امیر المومنین معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی ہے جو کہ نہ صرف عالم وفقیہ اور حلیم الطبع تھے بلکہ ایک خوددار، ذہین وفطین، قوی، نرم مزاج اور عادل بادشاہ بھی تھے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ شیر سے بڑھ کر جری اور بڑے بارعب انسان تھے، واللہ میں تو چاہتا ہوں کہ جب تک جبل ابو قبیس باقی رہے معاویہ بن ابی سفیان بھی ہم میں باقی رہیں'' [البداية والنهاية: ١١/٤٤٢]

وہ اس وجہ سے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد حالات میں تبدیلی آنے کا خوف تھا۔ [التاريخ الإسلامي: ٢٧/١٧]

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تم قیصر وکسریٰ اور ان کے رعب و دبدبہ کی بات کرتے ہو جبکہ تمہارے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں''

[المعجم الكبير: ٣٣٠/٥، مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري: ص:٨٣]

یہاں پر ایک مدبر اور دور اندیش صحابیِ رسول خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو: تم قیصر وکسریٰ کے رعب اور دبدبے سے خوف نہ کھاؤ کیونکہ تمہارے درمیان ایک شیر موجود ہے۔

اور اس شیر کی موجودگی میں اگر تم قیصر وکسریٰ کے رعب و دبدبے سے خوف زدہ ہوتے ہو تو یہ تعجب کی بات ہے۔

یعنی وہ تمہاری شان اور تمہاری عزت وآبرو کا محافظ ہے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو، اللہ کی قسم اگر تم نے انہیں گم پایا تو تم ایسے سر دیکھو گے جو کندھوں سے اندرائن کی طرح گریں گے'' [البداية والنهاية: ١١/٤٣٠]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے معاویہ سے بڑھ کر کسی کو سردار نہیں دیکھا۔ کہا گیا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں؟ انہوں نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہتر تھے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بڑے سردار تھے'' [البداية والنهاية:١١/٤٣٨]

۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا:

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ایک وتر پڑھتے ہیں اس کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ شخص ہیں'' [صحيح البخاري:٣٧٦٥]

یعنی: اس امت کے سب سے بڑے فقیہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ جیسے خالص سونے کی پہچان ایک سونار ہی کر سکتا اسی طرح ایک فقیہ کی پہچان بھی ایک فقیہ ہی کر سکتا ہے۔

۵۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر کسی کو مبنی برحق فیصلہ کرتے نہیں دیکھا'' [سير أعلام النبلاء:١٥٠/٣]

۶۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں چلتے ہوئے فرمایا:

''تمہارے لئے افسوس ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہو جاؤ، میرے اللہ! مجھے بچوں کی امارت سے بچانا''

[مختصر تاريخ دمشق:٧٩/٢٥]

۷۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کی نماز تمہارے اس امیر (معاویہ رضی اللہ عنہ) کی نماز سے زیادہ آپ ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتی ہو'' [مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:٣٥٧/٩]

حضرت عبد اللہ بن عباس اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کے آثار کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دین داری کے بارے میں صحابۂ کرام کی گواہی ہے، ان کی فقاہت کی شہادت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دے رہے ہیں جبکہ حسن صلاۃ کے گواہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہیں اور ان دونوں کی شخصیات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس کی تاکید میں بکثرت آثار مروی ہیں'' [منهاج السنة:٢٣٥/٦]

۸۔ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کی معیت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں پڑنے والا غبار عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے بہتر اور افضل ہے'' [منهاج السنة:٤٤٩/١١]

۹۔ ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''میں نے کبھی بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو کسی انسان کو مارتے نہیں دیکھا۔ بجز اس شخص کے جس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا اسے انہوں نے کئی کوڑوں کی سزا دی'' [البداية والنهاية: ١١/٤٥١]

۱۰۔ معافی بن عمران سے پوچھا گیا: معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو وہ ناراض ہوکر سائل سے کہنے لگے: ''کیا تو صحابیٔ رسول کو تابعی کے برابر قرار دینا چاہتا ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے صحابی، سسرالی رشتے دار، آپ ﷺ کے کاتب اور وحی الٰہی کے امین ہیں'' [البداية والنهاية: ١١/٤٥٠]

۱۱۔ امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے جو یہ کہتا ہے کہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی اور خالُ المومنین نہیں مانتا اس لیے کہ انہوں نے امارت تلوار کے زور پر غصب کی؟ آپ نے فرمایا:

''یہ بہت بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے الگ رہا جائے، ان کے ساتھ نشست وبرخاست نہ کی جائے اور انہیں لوگوں کے سامنے ننگا کیا جائے''۔ (السنۃ للخلال: ۲/۴۳۴، مذکورہ تمام آثار ڈاکٹر الصلابی کی کتاب ''سیدنا معاویہ بن ابو سفیان کے فضائل ومناقب'' اردو ترجمہ، ص: ۲۱۶۔۲۱۷ سے ماخوذ ہیں)

اخیر میں میں اپنی بات کو دعائے رسول ﷺ سے ختم کررہا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هادِيًا مَهْدِيًّا، واهْدِ بِهِ''

''اے اللہ! انہیں ہدایت دہندہ اور ہدایت یافتہ بنا اور ساتھ ہی انہیں ہدایت کا ذریعہ بنا'' [الترمذي: ٣٨٤٢، الشريعة للآجري: ٥/٢٤٣٧، الجامع الصحيح للسنن والمسانيد: ١٦/٣٥٨]

ان کے حق میں ایک اور دعا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی:

''اللَّهُمَّ عَلِّمْ مُعاوِيَةَ الكِتابَ والحِسابَ وقِهِ العَذابَ''

''اے اللہ! معاویہ کو حساب وکتاب سکھا اور انہیں عذاب سے بچا'' [موارد الظمآن للهيثمي: ٤/٢٤٩، الجامع الكبير: ٣/٤٨٠]

ظاہری بات ہے کہ آپ ﷺ کی یہ مبارک دعا اللہ رب العزت نے ضرور قبول فرمائی ہوگی، تبھی تو آپ فقیہ، ہادی اور مہدی ہونے کے ساتھ ساتھ خلق کثیر کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

☆☆☆

(بیسویں قسط)

تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

کفایت اللہ سنابلی

(د) مجرد خبر پر محمول کرنا

علامہ المازری المالکی (المتوفی ۵۳٦) فرماتے ہیں:

وأما قول ابن عباس: ”كان طلاق الثلاث واحدة علٰى عهد النبى صلى الله عليه وسلم :فقال بعض العلماء البغداديين: المراد به أنه كان المعتاد فى زمن النبى ﷺ تطليقة واحدة وقد اعتاد الناس الآن التطليق بالثلاث، فالمعنى: كان الطلاق الموقع الآن ثلاثا يُوقع بواحدة فيما قبل إنكارًا لخروجهم عن السنة “

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: ”کہ عہد نبوی میں تین طلاق......تو بعض بغدادی علماء اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ وہ یہ خبر دے رہے ہیں کہ نبی ﷺ کے دور میں ایک طلاق دینے کا رواج تھا اور آج لوگوں میں تین طلاق دینا رائج ہوگیا، یعنی آج جس طلاق سے عورت کو الگ کیا جاتا ہے وہ تین طلاق ہے جبکہ عہد نبوی میں ایک ہی طلاق سے عورت کو الگ کیا جاتا تھا، اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقصود ان پر نکیر کرنا تھا کہ طلاق دینے میں سنت کے طریقے سے ہٹ گئے ہیں“ [المعلم بفوائد مسلم: ۱۹۲/۲]

اس تاویل کو ابن العربی نے بہتر کہا ہے اور اسے ابوزرعہ الرازی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔[فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة: ۳٦٤/۹]

عرض ہے کہ: اس تاویل کے بطلان کے لیے ابوالصہباء اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سوال وجواب ہی کافی ہے، چنانچہ:

”أن أبا الصهباء ، قال لابن عباس: أتعلم أنما كانت الثلاث تجعل واحدة علٰى عهد النبى صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وثلاثا من إمارة عمر؟ فقال ابن عباس: نعم“

”ابوالصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ عہد نبوی، عہد صدیق اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین سال تک تین طلاق کو ایک بنایا جاتا تھا؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں“ [صحيح مسلم: ۱۰۹۹/۳ رقم: ۱٤۷۲]

اب غور کریں کہ اگر عہد نبوی میں تین طلاق دی ہی نہیں جاتی تھی تو کس طلاق کو ایک بنایا جاتا تھا؟

مولانا کرم شاہ ازہری بریلوی صاحب فرماتے ہیں:

حدیث کے الفاظ اس جواب کے متحمل نہیں" أتعلم أنما كانت الثلاث تجعل واحدة......قال نعم"، کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں تو ایک کس کو بنایا جاتا تھا؟ (دعوت فکر ونظر: مطبوع در مجموعہ مقالات: ص:۲۲۶)

شہاب الدین الآلوسی (المتوفی ۱۲۷۰) فرماتے ہیں:

"واعترض عليه بعدم مطابقته للظاهر المتبادر من كلام عمر لا سيما مع قول ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما: الثلاث إلخ، فهو تأويل بعيد لا جواب حسن فضلا عن كونه أحسن"

"اس جواب پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کے ظاہر اور متبادر مفہوم سے میل نہیں کھاتا، خاص طور سے ابن اعباس رضی اللہ عنہ کے قول تین طلاق......الخ سے، اس لیے یہ تاویل بعید ہے، یہ جواب سرے سے اچھا ہی نہیں ہے، چہ جائے کہ اسے سب سے اچھا جواب کہا جائے" [روح المعانی: ۵۳۲/۱]

علامہ المازری کو بھی احساس ہوا کہ عہدِ نبوی میں تین طلاق کو ایک بنانے والے الفاظ سے تو یہ تاویل بہت بعید معلوم ہوتا ہے اس لیے انہوں نے ان الفاظ کو بھی کھینچ تان کر تاویل کے بھینٹ چڑھا دیا چنانچہ آگے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"وإن كان هذا اللفظ الثاني أبعد من الأول قليلاً لقوله: كانت الثلاث تجعل واحدة ولكن يصح أن يريد كانت الثلاث الموقعة الآن تجعل واحدة، بمعنى توقع واحدة"

"دوسری روایت کے ان الفاظ میں گرچہ گزشتہ معنی تھوڑا بعید لگتا ہے کیونکہ اس میں یہ ذکر ہے کہ تین طلاق کو ایک بنایا جاتا تھا، لیکن یہاں یہ مراد لینا بھی درست ہوسکتا ہے کہ آج جن تین طلاقوں کے ذریعہ طلاق واقع کی جاتی ہے اسے ایک بنایا جاتا تھا یعنی ایک سے ہی طلاق واقع کی جاتی تھی" [المعلم بفوائد مسلم: ۱۹۲/۲]

عرض ہے کہ:

اس پر تکلف تاویل سے کام نہیں چلنے والا کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

أنّ أبا الصّهْباءِ أتى ابن عبّاس فقال له: "أنما علمت أنه كان على عَهْدِالنّبيّ صلى الله عليه وسلم وأبي بكرٍ مَنْ طلّق ثلاثًا جُعِلْن واحدة. قال: قدْ كان ذلك"

ابوالصہباء ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: "کیا آپ کو علم ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صدیقی میں جو شخص تین طلاقیں دیتا تھا تو اس کی تینوں طلاقیں ایک بنائی جاتی تھیں" [مستخرج أبي عوانة: ۵۶۸/۱۱، رقم: ۴۹۶۹ وإسناده صحيح]

ملاحظہ فرمائیں کہ اس روایت میں تو کھل کر صراحت آ گئی کہ دورِ نبوی اور دورِ صدیقی میں کوئی شخص تین طلاق دیتا تھا تو اسی شخص کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک بنایا جاتا تھا۔ اس سے مذکورہ تاویل کے لیے کوئی جگہ نہیں رہ جاتی ہے۔

نیز مذکورہ تاویل کے لیے حدیث میں مستعمل لفظ " تجعل " (بنائی جاتی تھی) کو توڑ مروڑ کر تاویل کے بھینٹ چڑھایا گیا لیکن بعض روایت میں اس کی جگہ " ترد " (لوٹائی جاتی تھیں) کے الفاظ ہیں:

۞ "هل علمت أن الثلاثة كانت ترد علٰى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الواحدة؟ ،قال: فقال ابن عباس: نعم "

" کیا آپ کو علم ہے کہ دورِ نبوی میں تین طلاق کو ایک طلاق کی طرف لوٹا دیا جاتا تھا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں "

[سنن الدارقطني، ت الارنؤوط: ۵/ ۸۰، رقم: ۴۰۱۹، وإسناده حسن]

۞ "ألم تعلم أن ثلاثة كانت علٰى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر، وثلاث من إمارة عمر ترد إلى واحدة؟ قال: نعم"

" کیا آپ کو علم ہے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی تین سال تک تین طلاق کو ایک طلاق کی طرف لوٹا دیا جاتا تھا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں " [مستخرج أبی عوانة: ۳/ ۱۵۲ رقم: ۴۵۳۳ وإسناده صحيح]

اب الفاظ میں تو کھینچ تان کر بھی تاویل نہیں ہو سکتی۔

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھئے بعض روایات میں تو اس جگہ "يحسبن" (شمار کی جاتی تھیں) کے الفاظ ہیں:

"فقال له أبو الصهباء أما علمت أن الثلاث كن يحسبن علٰى عهد النبى صلى الله عليه وسلم واحدة فقال ابن عباس بلٰى "

" ابو الصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو علم نہیں کہ عہدِ نبوی میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں "؟ [المسند المستخرج على صحيح مسلم: ۴/ ۱۵۳، وإسناده صحيح]

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کے ان دیگر طرق کو دیکھنے کے بعد ہر انصاف پسند شخص پکار اٹھے گا کہ مذکورہ تاویل انتہائی بعید اور لایعنی ہے۔

بلکہ ابو الحسن الماوردی (المتوفی ۴۵۰) رحمہ اللہ نے یہ دردناک اعتراف بھی کیا ہے کہ:

"وإنما حملناه علٰى هذا الاحتمال مع بعده، لأن ......"

" اس احتمال کے بعید ہونے کے باوجود بھی ہم نے حدیث کو اس پر اس لیے محمول کیا ہے کیونکہ ....." [الحاوی الکبیر: ۱۰/ ۱۲۲]

عرض ہے کہ کیونکہ کے بعد والے شبہ کا بار بار جواب دیا جا چکا ہے اس لیے اس بعید احتمال کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نیز اس بات پر غور کیجئے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں دو سال کے بعد تین طلاق کو نافذ کر دیا، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے جب تین طلاق دی جاتی تھی تو نافذ نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ایک شمار ہوتی تھی، حدیث کے انہیں الفاظ کو دیکھتے ہوئے احناف میں سے بھی کئی اہلِ علم نے مذکورہ باطل تاویل کو رد کر دیا ہے۔ چنانچہ:

☆ کمال الدین ابن الہمام الحنفی (المتوفی ۸۶۱) فرماتے ہیں:

"وما قيل في تأويله أن الثلاث التي يوقعونها الآن إنما كانت في الزمان الأول واحدة تنبيه علٰى تغير الزمان ومخالفة السنة فيشكل إذ لا يتجه حينئذ قوله فأمضاه عمر رضى الله عنه "

"اور اس حدیث کی تاویل میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ اب لوگ تین طلاق دینے لگے ہیں جبکہ پہلے زمانے میں ایک ہی طلاق دیتے تھے، اس میں بدلے ہوئے زمانے اور سنت کی مخالفت کی خبر ہے، تو اس تاویل میں اشکال ہے کیونکہ ایسی صورت میں یہ تاویل حدیث کے ان الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے نافذ کر دیا" [فتح القدير للكمال ابن الهمام:٤٧١/٣]

☆ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۱) فرماتے ہیں:

"وهذ الحمل لايتجه مع قوله فأمضاه عليهم عمر، ويؤيد ذالک ماذكره القهستانى أنه كان فى الصدر الأول إذا أرسل الثلاث جملة لم يحكم إلا بوقوع واحدة إلى زمن عمر رضى الله تعالىٰ عنه، ثم حكم بوقوع الثلاث سياسة لكثرته بين الناس"

"یہ تاویل حدیث کے اندر موجود ان الفاظ سے میل نہیں کھاتی کہ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین طلاق کو ان پر نافذ کر دیا اور اس (تاویل کے بطلان) کی تائید اس بات سے بھی ہوتی جسے قہستانی نے ذکر کیا ہے کہ صدر اول میں جب ایک ہی جملے میں تین طلاق دی جاتی تھی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک ایک ہی شمار کی جاتی تھی، پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیاسی فرمان کے تحت تین کے وقوع کا فیصلہ کر دیا کیونکہ لوگ بکثرت ایسا کرنے لگے تھے" [حاشية الطحطاوى على الدر المختار:ج:٢،ص:١٠٥،جديدنسخه:ج:٤،ص:٣٦٣ وانظر:جامع الرموز للقهستاني:ص:٢٧٧،مطبوعه كلكته)]

☆ مولانا اشرف تھانوی صاحب نے بھی اس حدیث کے صحیح مفہوم کا اقرار کیا ہے، لکھتے ہیں:

اورحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ تینوں طلاق ایک سمجھی جاتی تھی۔[تقریر ترمذی : ص:۳٤٦]

الغرض مذکورہ تاویل باطل ہے اور اس حدیث کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اس حدیث کے الفاظ سے واضح ہے کہ عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو سال تک تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی، نیز اس حدیث کے تمام طرق کے الفاظ اسی مفہوم کا ساتھ دیتے تھے۔

نوٹ: اس تاویل کے مزید جوابات میں وہ دو ابتدائی جوابات بھی شامل کرلیں جو اس سے قبل تاکید وتکرار والی تاویل کے رد میں دئے گئے ہیں۔

❀ زیر بحث حدیث کے ترجمہ پر ایک پُر جہالت اعتراض:

صحیح مسلم کی اس حدیث میں عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق کو ایک قرار دئے جانے کی بات ہے، اس حدیث کا سیاق صاف دلالت کرتا ہے کہ یہاں بیک وقت دی گئی تین طلاق کو ایک قرار دینے کی بات منقول ہے۔

اسی سیاق کو دیکھتے ہوئے بعض علماء نے بیک وقت یا یکبارگی تین طلاق کا ترجمہ کیا تو بعض دیوبندیوں نے اسے جھوٹ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ یکبارگی والا کوئی لفظ متن حدیث میں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ متن کے سیاق میں اس کا مفہوم موجود ہے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں:

جب لفظ کا مطلب موجود ہو تو لفظ کا مطالبہ کرنا ایک دھوکہ ہوتا ہے۔ (فتوحات صفدر:۱/۲۰۸)

اور بعض دیوبندیوں نے اسی اعتراض کو لے کر اس حدیث کا یہ جواب بھی دینے کی کوشش کی کہ تین طلاق کا ذکر ہے لیکن بیک وقت دی گئی تین طلاق کا ذکر نہیں ہے، اس لیے یہ حدیث بیک وقت دی گئی تین طلاق کے ایک ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

عرض ہے کہ:

اس حدیث میں تین طلاقوں کو ایک قرار دئے جانے کی بات ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں بیک وقت دی گئی تین طلاق کا ذکر ہے، ورنہ الگ الگ وقت میں سنت کے مطابق دی گئی تین طلاقوں میں یہ مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوگا کہ انہیں ایک شمار کیا جائے۔

واضح رہے کہ ہم نے اس حدیث کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ ہمارا نہیں بلکہ جناب غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی صاحب کا ہے اور انہوں نے بھی بیک وقت تین طلاق کا ترجمہ کیا ہے، اسی طرح دیوبندی حضرات میں پالن حقانی

دیوبندی صاحب نے بھی اس طرح ترجمہ کیا ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں، اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کو ایک خیال جاتا ہے۔ (شریعت یا جہالت: ص:۱۹۹)

لہٰذا بریلوی اور دیوبندی حضرات اپنے مترجمین کا ترجمہ دیکھ کر ہی اطمینان کر لیں۔

متن پر چوتھا اعتراض: متعہ کو لے کر الزامی اعتراض:

بعض لوگ الزاماً متعہ والی یہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں متعہ کیا پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری دور میں اس سے منع کر دیا تو اس کے بعد ہم نے دوبارہ متعہ نہیں کیا۔ پھر کہتے ہیں کہ یہی معاملہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی ہے۔[فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة: ۹/ ۱۶۵]

امام ابوعوانہ یعقوب بن إسحاق الإسفرائینی (المتوفی ۳۱۶) نے:

حدثنا إسحاق، عن عبد الرزاق، عن ابن جريج، عن عطاء، قال: ”قدم جابر، فجئناه في منزله، فسأله القوم عن أشياء، ثم ذكروا له المتعة، فقال: نعم استمتعنا علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر، حتى كان آخر خلافة عمر استمتع عمرو بن حريث، وذكر الحديث فنهانا عمر فلم نعد“

امام عطاء فرماتے ہیں: ”کہ جابر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ہم ان کے گھر گئے اور لوگوں نے ان سے کئی باتیں پوچھیں پھر متعہ کا ذکر کیا تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں متعہ کیا یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور آیا اور عمرو بن حریث نے متعہ کیا پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی کہ اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہم کو منع کر دیا تو پھر ہم نے دوبارہ متعہ نہیں کیا“ [المسند الصحيح المخرج على صحيح مسلم لأبي عوانة: ۱۱/ ۲۶۰]

عرض ہے کہ:

اولاً:

جس طرح ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بنا پر یہ مانتے ہیں کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو سال تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی، ٹھیک اسی طرح ہم جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے سبب یہ بھی مانتے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں لوگوں کا متعہ پر عمل تھا۔

لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ہم محکم اور عام مانتے ہیں، یعنی نہ تو یہ منسوخ ہے اور نہ ہی اس کے خلاف کسی کا عمل ثابت ہے۔

جبکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ہم منسوخ اور اس پر بعض لوگوں کا عمل مانتے ہیں، کیونکہ اس کے منسوخ ہونے کا ثبوت موجود ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ بعض صحابہ نسخ سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر عمل نہیں کرتے۔

ملاحظہ ہو اس کے منسوخ اور اس پر عمل کے متروک ہونے کا ثبوت:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) نے کہا:

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا أبي، حدثنا عبد العزيز بن عمر، حدثني الربيع بن سبرة الجهني، أن أباه، حدثه، أنه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال:" يا أيها الناس، إني قد كنت أذنت لكم في الاستمتاع من النساء، وإن الله قد حرم ذالک إلى يوم القيامة، فمن كان عنده منهن شيء فليخل سبيله، ولا تأخذوا مما آتيتموهن شيئا "

ربیع بن سبرۃ اپنے والد سبرۃ الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی، اور اب اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے، تو جس کے پاس بھی متعہ والی عورتوں میں سے کوئی ہو وہ اسے چھوڑ دے اور اس سے پہلے اسے جو کچھ عطا کیا ہوا سے واپس نہ لے'' [صحيح مسلم: ۱۰۲۵/۳ رقم: ۱٤۰٦]

یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے سبرۃ الجہنی رضی اللہ عنہ نے بھی متعہ کیا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسخ کا حکم سن کر متعہ والی عورت کو الگ کر دیا تھا، چنانچہ یہ اپنے متعہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كان عنده من النساء التي تمتع بهن شيء، فليخل سبيلها قال: ففارقتها "

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ جس کے پاس ایسی عورت ہو جس سے اس نے متعہ کیا ہو تو وہ اس عورت کو چھوڑ دے، چنانچہ پھر میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا'' [مسند أحمد ط الميمنية: ٤٠٥/٣، وإسناده صحيح]

ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عہدِ رسالت ہی میں متعہ کا حکم منسوخ ہو گیا تھا اسی طرح نسخ کا یہ حکم سننے والے صحابہ نے متعہ کرنا بند کر دیا تھا۔ لہٰذا عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی ایام میں سب کا اس پر عمل نہیں تھا بلکہ صرف انہیں لوگوں کا عمل تھا جن کو نسخ سے آگاہی نہیں ہوئی تھی۔

اب غور کیجئے کہ بھلا جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ہمارے خلاف کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ اسے اسی صورت میں پیش کیا جاسکتا تھا جب متعہ کے نسخ اور اس پر عمل کے ترک کی دلیل نہ ہوتی کیونکہ اس صورت میں اس کا معاملہ بلاشبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جیسا ہوتا۔ لیکن چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے متعلق نسخ اور اس پر عمل کے ترک ہونے کا ثبوت مل گیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے متعلق ایسا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس فرق کے سبب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے خلاف الزاماً جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نہیں پیش کی جاسکتی، فافھم۔

ثانیاً:

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ جو منع کیا تھا تو وہ اپنے اجتہاد اور رائے سے نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت شدہ ناسخ حدیث کی بنیاد پر منع کیا تھا جیسا کہ بعض روایات میں پوری صراحت موجود ہے۔ مثلاً:

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۳) نے کہا:

”حدثنا محمد بن خلف العسقلانی قال: حدثنا الفریابی، عن أبان بن أبی حازم، عن أبی بکر بن حفص، عن ابن عمر، قال: لما ولی عمر بن الخطاب خطب الناس فقال: ”إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، أذن لنا فی المتعة ثلاثا، ثم حرمها، واللّٰه لا أعلم أحدا یتمتع وهو محصن إلا رجمته بالحجارة، إلا أن یأتینی بأربعة یشهدون أن رسول اللّٰه أحلها بعد إذ حرمها “

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو تین بار متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام قرار دیا، قسم ہے اللہ کی اگر میں کسی کے بارے میں جانوں گا کہ وہ شادی شدہ ہوتے ہوئے متعہ کرتا ہے تو میں اسے پتھروں سے رجم کردوں گا، مگر یہ کہ وہ چار گواہ لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دینے کے بعد حلال کیا تھا“ [سنن ابن ماجه: ٦٣١/١، وإسناده حسن]

جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی ناسخ حدیث کی بنیاد پر تین طلاق کو تین قرار نہیں دیا بلکہ خود اعتراف کیا کہ ” **فی أمر کانت لهم فیه أناة** “(اس میں ان کے لئے مہلت و وسعت تھی) یعنی یہ حکم منسوخ نہیں ہے، لیکن تعزیر اور سزاء کے طور پر ان پر تین طلاق کو نافذ کر دیا۔

لہٰذا اس واضح فرق کی بنا پر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے خلاف جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بطور الزام قطعاً نہیں پیش کیا جاسکتا۔

(ختم شد)

جائز اور نا جائز لباسوں کو پہچاننے کے ضوابط

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی

لباس و پوشاک اور کپڑوں کے تعلق سے اصل اور بنیادی حکم یہ ہے کہ انسانوں کے لیے دنیا میں پایا جانے والا ہر قسم کا لباس پہننا جائز ہے، سوائے ان لباسوں کے جن کے تعلق سے قرآن وحدیث میں ممانعت آئی ہے، یا جن کے استعمال سے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ عام اصولوں میں سے کسی کی مخالفت لازم آتی ہے۔[القواعد النُّورانية لابن تَيميَّةَ:ص:١٦٤، الإفهام في شرح عمدة الأحكام لابن باز :ص:٧٧٧]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾

''اسی (اللہ) نے تمہارے لیے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا جو زمین میں ہیں'' [البقرة:٢٩]

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام چیزوں کو انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے تو ان کے لیے ان تمام چیزوں کو استعمال کرنا جائز ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی چیز سے منع کردے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾

''اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس، ہی سب سے بہتر ہے'' [الأعراف:٢٦]

اور فرماتا ہے: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

''اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا'' [الأعراف:٣١]

اور فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

''آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب زینت کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے، اور کھانے پینے کی پاکیزہ (حلال) چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟'' [الأعراف:٣١-٣٢]

ان آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے جتنے بھی انواع واقسام کے لباس و پوشاک پیدا کئے

ہیں، ان کے لیے ان تمام کا استعمال جائز ہے، اسی لیے فرمایا ہے کہ میں نے تو ان لباسوں کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے تا کہ تم انہیں استعمال کرسکو، اب اگر میں نے کسی لباس کو حرام نہیں کیا ہے تو پھر کس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حرام کرے؟ اور تم استعمال کرنا چھوڑ دو! لہٰذا اگر اللہ نے کسی لباس کو پہننے سے نہیں روکا ہے تو اس کا پہننا جائز ہے اس کے جواز کے لیے کسی اضافی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی کسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی لباس کو حرام قرار دے۔ (ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۰۸)

دوسری بات یہ ہے کہ کپڑوں کا استعمال ''عادات'' میں سے ہے اور عادات میں اصل حلت واباحت ہے، الا یہ کہ ممانعت کی دلیل موجود ہو۔[لقاء الباب المفتوح لابن عثيمين اللقاء رقم: ۱۱، فتاوى اللَّجنة الدَّائِمة: ٢٤/ ٣٨]

اس اہم اور بنیادی اصول کی معرفت کے بعد اب ان ضوابط کا علم حاصل کرنا مفید ہے جن کے ذریعے آسانی کے ساتھ جائز اور حرام لباسوں کے درمیان تمیز کی جاسکتی ہے، چونکہ اس باب میں اصل اباحت ہے اس لیے ضوابط کی صورت میں ان شرعی محظورات اور عیوب وموانع کو جان لینا کافی ہوگا جن کے پائے جانے کی صورت میں کسی لباس کا استعمال حرام اور ممنوع قرار پاتا ہے، چنانچہ کسی لباس کے اندر اگر درج ذیل امور میں سے کوئی چیز پائی جائے گی تو اس کا استعمال ممنوع ہوگا، اور جو بھی لباس ان امور سے خالی ہوگا اس کا استعمال بالکل جائز ہوگا، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا ضابطہ: وہ لباس کسی ایسی چیز سے نہ بنایا گیا ہو جو بذات خود حرام یا نجس ہے، جیسے مَردوں کے لیے ریشم اور سونے سے بنایا گیا لباس، یا مطلق طور پر سور، کتا، لومڑی، چیتا اور ان جانوروں کے چمڑوں سے بنایا گیا لباس جن کا کھانا جائز نہیں ہے۔[لقاء الباب المفتوح لابن عثيمين: ٣٩/ ٥٢ فتاوى اللجنة الدائمة ٢٤/ ٢٩-٣٠]

عن عليَّ بنَ أبي طالب رضي الله عنه يقول: "إنَّ نبيَّ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّم أخذ حريرًا، فجعَلَه في يمينِه، وأخذ ذهَبًا فجعَلَه في شِمالِه، ثمَّ قال: إنَّ هٰذينِ حرامٌ علىٰ ذُكورِ أمَّتي"

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: ''اللہ کے نبی ﷺ نے ریشم لیا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اور سونا لیا اور اسے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر فرمایا: ''بلاشبہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں'' [أخرجه أبو داؤد: ٤٠٥٧، والنَّسائي: ٥١٤٤، وحسنه ابن المديني وصححه الألباني]

امام ابن عبد البر اور امام نووی رحمہما اللہ نے مردوں کے لیے سونا اور ریشم کی حرمت پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ [التمهيد: ١٤/ ٢٤١، المجموع شرح المهذب: ٤/ ٤٤١]

اسی طرح راجح موقف کے مطابق کھانے پینے اور پہننے کے معاملے میں نجس چیزوں سے استفادہ جائز نہیں ہے۔ [المجموع للنووي: ٤/ ٤٤٦]

دوسرا ضابطہ: مردوں کا لباس عورتوں کے مشابہ نہ ہو اور عورتوں کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی لباس مردوں کے لیے خاص ہے تو عورتوں کے لیے اس کا پہننا حرام ہے خواہ وہ کپڑوں کے اندر چھپا ہوا ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کوئی لباس عورتوں کے لیے مخصوص ہے تو مردوں کے لیے اس کا استعمال حرام ہے۔[فتاویٰ نور علی الدرب لابن باز "حکم لبس المرأة لباس الرجل"]

عـنِ ابـنِ عبَّـاسٍ رَضِـيَ اللّٰهُ عنهما، قال:"لعن رسولُ اللّٰه صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّم المتشَبِّهينَ مِن الرِّجالِ بالنِّساءِ، والمتشَبِّهاتِ مِن النِّساءِ بالرِّجالِ"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ :''رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں'' [أخرَجه البُخاريّ: ٥٨٨٥]

عنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :"لَعَنَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْه وسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ :''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ایسے مرد پر جو عورت جیسا لباس پہنے اور ایسی عورت پر جو مردوں جیسا لباس پہنے'' [أخرجه أبو داؤد: ٤٠٩٨، وصححه الألباني]

البتہ اگر کوئی ایسا لباس ہے جو کسی جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اسے مرد اور عورت دونوں استعمال کرتے ہیں تو سبھی کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔[فتاویٰ نور علی الدرب لابن عثیمین :٢/٢٢]

اسی طرح بعض قوموں کے نزدیک بعض لباسیں کسی ایک جنس کے ساتھ خاص ہوتی ہیں، لہٰذا ان قوموں کی دوسری جنس کے لیے ان کا استعمال ممنوع ہے، جبکہ دوسری قوموں کے نزدیک وہی لباسیں مرد وعورت سب کے لیے عام ہوتی ہیں اور انہیں سب پہنتے ہیں، ایسی صورت میں ان قوموں کے مرد وعورت سبھی کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، لہٰذا اس سلسلے میں عرف عام اور قوموں کی عادات کا اعتبار سب سے زیادہ ضروری ہے، مثال کے طور پر یورپ امریکہ اور دیگر بہت سارے ممالک میں پینٹ ٹراوزر اور شرٹ وغیرہ مرد وعورت سبھی پہنتے ہیں، لہٰذا ان کپڑوں کو صرف مشابہت کی بنیاد پر کسی جنس کے لیے ممنوع قرار دینا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ ان میں کوئی اور قباحت اور مانع موجود ہو۔[فتاویٰ نور علی الدرب للعثیمین: ٢/٢٢، شرح سنن ابی داؤد:٤٦٠/١٣]

تیسرا ضابطہ: وہ لباس کفار ومشرکین، اہل بدعت وضلالت، فساق وفجار اور اداکار و بدکردار لوگوں کے مشابہ نہ ہو، اس طور پر کہ وہ لباس اس طرح کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو، یا اس کا تعلق ان مشرکین ومبتدعین کے مذہب اور عقیدہ

سے ہو، یا کسی فاسق وفاجر کی تقلید کرتے ہوئے اس کے اسٹائل کو اپنا کر خاص قسم کا لباس پہنا جائے، چنانچہ اگر کوئی لباس کفار ومشرکین اور بدعتیوں کے ساتھ خاص ہے جسے صرف وہی لوگ پہنتے ہیں، یا اسے صرف فاسق وفاجر اور بدکردار لوگ ہی زیب تن کرتے ہیں، تو ایسے لباس کا استعمال ممنوع اور حرام ہے۔

عن عبدِ اللّٰهِ بنِ عَمرِو بنِ العاصِ رضی اللّٰه عنهما، قال:"رأى رسولُ اللّٰه صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّم عليَّ ثَوبَينِ مُعَصْفَرينِ، فقال:إنَّ هذه مِن ثيابِ الكُفَّارِ، فَلا تَلْبَسْهَا"

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: "نبی کریم ﷺ نے مجھے دو زرد رنگ کے معصفر کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، تو فرمانے لگے: یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں، تم انہیں مت پہنو"[أخرجه مُسلِم : ۲۰۷۷]

عن ابنِ عُمَرَ رضی اللّٰه عنهما قال:قال رسولُ اللّٰه ﷺ :"مَن تشَبَّه بقَومٍ فهو منهم"

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جس کسی نے بھی کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہے"[أخرجه أبو داؤد: ۴۰۳۱، وأحمد: ۵۱۱۴، وصححه أحمد شاكر والألباني]

عن عمر رضی اللّٰه عنه أنه كتب للمسلمين فى أذربيجان:"إياكم والتنعم وزى أهل الشرك"

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آذربائیجان کے مسلمانوں کو خط لکھا: "تم ناز ونعمت میں پڑنے اور مشرکوں کے لباس سے اجتناب کرو"[رواه مسلم: ۲۰۶۹]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تشبہ کا پیمانہ یہ ہے کہ مشابہت اختیار کرنے والا شخص کوئی ایسا کام کرے جو اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کی مشابہت اختیار کی جا رہی ہے، چنانچہ کفار کی مشابہت یہ ہے کہ مسلم شخص کوئی ایسا کام کرے جو ان کے خصائص میں سے ہے، رہی بات اس عمل کی جو مسلمانوں کے درمیان منتشر ومعمول بہ ہے اور کفار کے ساتھ خاص نہیں ہے تو اس کا کرنا تشبہ نہیں ہوگا، چنانچہ وہ اس بنیاد پر حرام نہیں ہوگا کہ وہ تشبہ بالکفار کے زمرے میں آتا ہے الا یہ کہ وہ کسی دوسری وجہ سے حرام ہو"[مجموع فتاوى الشيخ ابن عثيمين: ۱۲ / ۲۹۰]

واضح رہے کہ اس مسئلے میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس طور پر کہ اگر کوئی اتفاقی طور پر مشابہت کی نیت کئے بغیر بھی کفار ومشرکین اور بدعتیوں کا مخصوص یا مذہبی لباس زیب تن کرتا ہے تب بھی یہ ممنوع ہے گرچہ اس نے قصداً ایسا نہ کیا ہو۔[اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية:۱۷۸]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مشابہت صرف قصد اور ارادہ سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ صورتاً موافقت سے بھی ہوتی ہے، اس طور پر کہ اگر انسان کوئی ایسا کام کرتا ہے جو کفار کے ساتھ خاص ہے اور ان کے

امتیازات وخصائص میں سے ہے تو وہ ان کی مشابہت اختیار کرنے والا سمجھا جائے گا، خواہ اس نے مشابہت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مشابہت صرف تشبہ کی نیت کرنے سے ہی لازم آتی ہے، جبکہ یہ غلط ہے کیونکہ مقصود ظاہر ہے نہ کہ باطن اور دل کی نیت گرچہ نیت کی شمولیت سے معاملہ مزید سنگین ہو جاتا ہے'' [فتاویٰ نور علی الدرب لابن عثيمين: ۲/۲۲، الشرح الممتع (۲۹/۵)]

نوٹ: تشبہ کا حکم زمان ومکان، احوال وظروف اور مختلف لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، ایک چیز ایک زمانے میں کفار کا شعار ہوتی ہے، جبکہ بعد میں وہی چیز عام ہو جاتی ہے، ایک چیز کسی ملک میں مردوں کے لیے خاص ہوتی ہے، جبکہ وہی چیز دوسرے ممالک میں مرد وعورت سب کے لیے عام ہوتی ہے، ایک چیز عام حالات میں ممنوع ہوتی ہے، جبکہ بیماری یا مجبوری یا عدم دستیابی کی صورت میں جائز ہو جاتی ہے، ایک لباس ایک عام آدمی کے لیے مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہوتا ہے، جبکہ وہی لباس ریاستی جاسوس یا انٹیلیجنس اہلکاروں کے لیے جائز ہوتا ہے۔

چوتھا ضابطہ: وہ لباس شہرت، انفرادیت اور امتیاز کا باعث نہ ہو، خواہ زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہونے کی وجہ سے، یا زیادہ سادہ، بے رنگ اور معمولی ہونے کی وجہ سے جو معاشرے میں رائج عام لباسوں سے مختلف ہو، اس طور پر کہ اگر کوئی اسے پہنے تو وہ لوگوں کی توجہ اور گفتگو کا مرکز بن جائے، لوگ اسے مڑ مڑ کر دیکھیں، اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کریں، اس کی اور اس کے لباس کی تعریفیں کریں اور وہ معاشرے کے عام لوگوں سے منفرد نظر آئے۔

اور اس کا پیمانہ لوگوں کی عادات اور جس معاشرہ میں انسان رہتا ہے اس کا رواج ہے، لہٰذا جو ان کے معاشرہ اور عادات میں اسراف اور فضول خرچی یا پھر فخر وتکبر یا ردی اور بیکار شمار ہو وہ قابل مذمت اور ممنوع ہے، اور اس شہرت میں شامل ہوتا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین نے منع فرمایا ہے۔

عن ابن عُمَرَ رضى الله عنهما قال: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا میں شہرت والا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا''، ابوداؤد کی روایت میں اضافہ ہے ''پھر اس کے لیے اس میں آگ بھڑکائی جائے گی'' [رواه أبو داؤد: ٤٠٢٩، وابن ماجه: ٣٦٠٦، وحسنه الألباني والأرناؤوط]

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: ''جس نے بھی شہرت والی چادر یا لباسِ شہرت زیب تن کیا اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت آگ پہنائے گا'' [المصنف لابن أبي شيبة ت الشثري: ٢٦٩٠٥]

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''وہ لوگ (سلف صالحین) دوشہرتیں ناپسند کیا کرتے تھے: وہ اچھا لباس جس سے شہرت ہوتی ہو، اور لوگ اس کی جانب اپنی نظریں اٹھائیں، اور وہ ردی لباس جس میں وہ حقیر لگے اور اس کے دین کو نیچا سمجھا جائے'' [التواضع والخمول لابن أبی الدنیا: ح:٦٤]

سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مراد یہ ہے کہ وہ انتہائی خوبصورت اور قیمتی لباس نہ پہنے کہ لوگ انگلیوں سے اس کی جانب اشارہ کریں، یا پھر ایسا پراگندہ اور بوسیدہ لباس زیب تن نہ کرے کہ لوگ اس کی جانب انگلیوں سے اشارہ کرنے لگیں، کیونکہ ان میں سے ایک لباس میں تو اسراف اور فضول خرچی ہے، تو دوسرے میں بخل اور کنجوسی، جبکہ سب سے بہتر میانہ روی ہے'' [المبسوط: ٣٠/ ٢٦٨]

پانچواں ضابطہ: وہ لباس اسراف، فضول خرچی، کبر وغرور اور خودنمائی وخود پسندی کا باعث نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**يَابَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ**﴾

''اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا'' [الأعراف: ٣١]

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''آیت کھانے پینے اور لباس و پوشاک میں اسراف اور فضول خرچی کرنے پر سخت وعید پر دلالت کرتی ہے'' [فتح البیان فی مقاصد القرآن لصِدِّیق حسن خان: ٤/ ٣٣٣]

عن عبدِ اللّٰهِ بنِ عَمرِو بنِ العاصِ رضِی اللّٰه عنهما: أنَّ النبیَّ صلَّی اللّٰهُ علیه وسلَّم قال: ''کلُوا واشربوا وتصَدَّقوا والْبَسوا ما لم یخالطه إسرافٍ ولا مَخِیلةٍ''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو، جب تک کہ اس میں فضول خرچی یا تکبر کی آمیزش نہ ہو'' [أخرجه النسائی: ٢٥٥٩، وابن ماجة: ٣٦٠٥، وأحمد: ٦٦٩٥، وحسنه الألبانی]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن اسراف اور فضول خرچی اور فخر و تکبر نہ کرو'' [أخرجه البخاری تعلیقاً بصیغة الجزم فی کتاب اللباس فی فاتحته، وابن أبی شیبة فی المصنف: ٤٩٣٠، وحسنه الألبانی فی تخریج المشکاة]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جس کے ذریعے انسان اسراف کی حد تک پہنچ جائے وہ حرام ہو جاتی

ہے" [فتاویٰ نور علی الدرب لابن عُثَیمین: ۲۰۵/۱۱]

مزید فرماتے ہیں: "فضول خرچی ایک نسبتی چیز ہے جس کا تعلق نفس الفعل کے بجائے فاعل سے ہے، مثال کے طور پر ایک فقیر محتاج خاتون مالدار خاتون کے برابر کا زیور بنواتی ہے، تو کیا وہ فضول خرچی کرنے والی ہوگی؟ اگر وہ زیور ایک خوشحال خاتون خریدے تو ہم کہیں گے کہ یہ کوئی اسراف نہیں ہے، لیکن اگر وہی زیور ایک فقیر محتاج خاتون خریدے تو ہم کہیں گے کہ بلاشبہ یہ فضول خرچی ہے، حتیٰ کہ کھانے پینے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اسراف اور فضول خرچی کا تعلق کرنے والے فاعل سے ہے نہ کہ بذاتِ خود فعل سے، کیونکہ خرچ کرنے کے اعتبار سے لوگ مختلف قسم کے ہیں" [لقاء الباب المفتوح: ۳٤/۸۸]

چھٹا ضابطہ: وہ لباس اس قدر باریک، جالی دار اور پتلا نہ ہو کہ دیکھنے والوں کو واجبِ ستر اعضاء نظر آئیں، چنانچہ ایسا لباس جسے پہننے کے باوجود اعضاء کی بناوٹ، یا چمڑے کی رنگت، یا کسی بھی طور پر جسم کا کوئی واجب ستر عضو نظر آئے تو اس کا استعمال ممنوع ہے، کیونکہ لباس زیب تن کرنے کا مقصد ہی کامل ستر پوشی ہے اگر وہی مقصد حاصل نہ ہو تو کپڑا پہننا بے معنیٰ ہے۔ [المجموع شرح المهذب للنَّووِيِّ: ۳/ ۱۷۰، شرح عمدة الفقه لابن تَيميَّةَ: ص: ۲٥٥، مجموع فتاوى ورسائل الشيخ ابن عثيمين: ۲٦٤/۱۲]

ساتواں ضابطہ: وہ لباس اس قدر تنگ اور مختصر نہ ہو کہ اسے پہننے سے واجبِ ستر اعضاء کی بناوٹ، حجم، ڈیل ڈول اور نشیب وفراز ظاہر ہوتا ہو، یا ستر کا کچھ حصہ کھل جاتا ہو جیسا کہ تنگ پینٹ اور ٹراوزر وغیرہ پہننے والوں کی حالت ہوتی ہے، اس سلسلے میں عورتوں کا معاملہ مردوں سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔! [مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۱٥٦/۲۲، فتاوى نور على الدرب لابن عثيمين: ۲/۲۲، فتاوى اللَّجْنة الدَّائِمة -المجموعة الأولى- ٤۲۷/۳، ۱۷/۲٤]

نوٹ: عام حالات میں مرد کا واجب پردہ گھٹنے سے لے کر ناف تک ہے، جبکہ غیر محرم کے سامنے عورت کا پردہ بالاتفاق دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے علاوہ پورا جسم ہے، جبکہ بہت سارے اہل علم کے نزدیک غیر محرم کے سامنے چہرہ اور ہتھیلی سمیت مکمل جسم چھپانا واجب ہے۔

آٹھواں ضابطہ: وہ لباس "عصفر" اور "زعفران" کے پودوں سے تیار کئے گئے رنگوں سے رنگا ہوا نہ ہو، چنانچہ جو بھی لباس "عصفر" یا "زعفرانی" رنگوں سے رنگا ہوا ہو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ [الشرح الممتع لابن عثيمين: ۲۱۸/۲]

"عصفر" ایک پودا ہے جس سے سرخ یا ایک خاص قسم کا سرخی مائل زرد رنگ تیار ہوتا ہے، ہمارے علماء نے اس کا

ترجمہ ''کسم، گیروا، نارنگی اور زرد'' وغیرہ الفاظ سے کیا ہے۔

''زعفران'' ایک پودا ہے جس سے ایک مخصوص قسم کا پیلا رنگ تیار ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ عورتوں کے لیے کسی بھی رنگ سے رنگا ہوا کپڑا استعمال کرنا جائز ہے، لہذا کسی بھی کپڑے کو صرف رنگ کی بنیاد پر عورتوں کے لیے ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا، الا یہ کہ اس کے اندر کفار کی مشابہت وغیرہ کوئی دوسرا سبب پایا جائے، جیسے بھگوا رنگ کا لباس ہندوؤں کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔[التمهيد لابن عبد البر: ١٢٣/١٦]

اسی طرح مردوں کے لیے بھی ''معصفر'' اور ''مزعفر'' کپڑوں کے علاوہ کالا، سفید، پیلا، نیلا، سبز وغیرہ بقیہ تمام رنگوں سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا بالاتفاق جائز ہے، صرف خالص سرخ رنگ کے تعلق سے اختلاف ہے، لیکن راجح قول کے مطابق وہ بھی جائز ہے۔[المجموع للنووی: ٣٣٧/٤، نيل الأوطار للشوكانی :١١٣/٢]

عَنِ البَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ:"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوعًا، وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْهُ"

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ: ''نبی کریم ﷺ میانہ قد تھے، میں نے حضور اکرم ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا، آپ سے زیادہ خوبصورت میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی'' [أخرجه البُخاری: ٥٨٤٨ ،واللفظ له، ومُسلِم :٢٣٣٧]

عن أبي جُحَيْفَةَ قال:"خرج النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ فی حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى العَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ العَنَزَةِ"

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ (حجرے سے) ایک سرخ پوشاک پہنے ہوئے تہبند اٹھائے باہر تشریف لائے اور برچھی کی طرف منہ کر کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، میں نے دیکھا کہ آدمی اور جانور برچھی کے پرے سے گزر رہے تھے'' [أخرجه البخاری: ٣٧٦، ومسلم :٥٠٣]

نواں ضابطہ: اس لباس پر کسی ذی روح کی تصویر نہ ہو، چنانچہ اگر کسی لباس پر انسان یا جانور یا چرند و پرند یا مچھلی یا کیڑے مکوڑے وغیرہ کسی ذی روح کی تصویر ہو تو اس کو پہننا حرام ہے، البتہ اگر اس ذی روح تصویر کا سر کٹا ہوا ہو تو جائز ہے، اور اگر جمادات و نباتات اور مظاہر کائنات جیسے ندیوں پہاڑوں جھیلوں اور عمارتوں گاڑیوں اور آلاتِ مصنوعہ کی تصویریں ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ [شرح عمدة الفقه لابن تيمية :٣٨٧، نيل الأوطار للشوكانی:٢/ ١١٩، مجموع فتاویٰ ورسائل ابن عثيمين: ٢٧٤/٢]

عن زَيدِ بنِ خالدٍ الجُهَنيِّ رَضِيَ اللهُ عنه، قال: "إنَّ أبا طلحةَ حَدَّثَه أنَّ النبيَّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم قال: لا تدخُلُ الملائِكةُ بيتًا فيه صورةٌ"

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں (جاندار کی) تصویر ہو" [أخرَجه البُخاريُّ: ٣٢٢٦، واللَّفظُ له، ومُسلِم: ٢١٠٦]

دسواں ضابطہ: اس لباس پر صلیب، یہودیوں کا ستارہ، ہندوؤں کا ترشول اور سودرشن چکر وغیرہ کفار ومشرکین اور ملحدین کے مذہبی شعارات ونشانات، یا ان کی کسی معظم شخصیت کی طرف منسوب لوگوز (logos) اور علامات، یا شرکیہ وکفریہ، حرام، فحش اور گندے الفاظ نہ ہوں، چنانچہ اگر کسی لباس پر صلیب کا نشان، یا یہودیوں کے کسی مخصوص ستارے کا نشان بنا ہوا ہو، یا اس پر شکتی، نارائن، (kissme) جیسے الفاظ لکھے ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ [المحلى لابن حزم: ٥١٦/٧، فتاوى اللجنة الدائمة: ٢٤/٢٤، لقاء الباب المفتوح لابن عثيمين اللقاء: رقم: ٢١، شرح رياض الصالحين لابن عثيمين: ٣٠٠/٤]

البتہ اگر کسی کمپنی کا نشان، یا سگنیچر یا عام الفاظ لکھے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

گیارہواں ضابطہ: اس لباس پر قرآنی آیات، یا ایسی دعائیں اور جملے نہ لکھے ہوں جن میں اللہ کا نام آتا ہے، کیونکہ اس سے قرآنی آیات اور اسم باری تعالیٰ کی توہین لازم آئے گی۔ [فتاوى نور على الدرب لابن باز: ١/ ١٨١، فتاوى اللجنة الدائمة: ٤٧٣/١٣]

بارہواں ضابطہ: مردوں کا لباس اس قدر لمبا اور بڑا نہ ہو کہ وہ ٹخنوں سے نیچے لٹکنے کا باعث بنے، چنانچہ ایسا پینٹ ٹراوزر پتلون اور جبہ وغیرہ پہننا ممنوع ہے جو ٹخنوں سے نیچے تک جاتے ہوں، البتہ اگر اسے چھوٹا کر لیا جائے یا کسی طرح سے اسے ٹخنوں سے نیچے تک جانے سے روک لیا جائے تو پھر اسے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي هُريرة رضي اللهُ عنه، عنِ النبيِّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم قال: "ما أسفَلَ مِن الكَعبينِ مِن الإزارِ، ففي النَّارِ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہو وہ جہنم میں ہوگا" [أخرجه البخاري: ٥٧٨٧]

تیرہواں ضابطہ: غیر محرموں کے سامنے عورتوں کا لباس:

۱۔ پورے جسم کو چھپاتا ہو چھوٹا نہ ہو۔

۲۔ باریک نہ ہو جس سے اندر کے اعضاء نظر آئیں بلکہ دبیز اور موٹا ہو۔

۳۔ تنگ، چست اور کسا ہوا نہ ہو جس سے اعضاء کی بناوٹ اور نشیب وفراز ظاہر ہوتے ہوں۔

۴۔ وہ لباس بذات خود زینت اور دعوت نظارہ دینے والا نہ ہو، اس طور پر کہ خوب چمکتا دمکتا اور رنگ برنگا ہو، اور اس پر قسم قسم کے بیل بوٹے اور نقش ونگار کیئے گئے ہوں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نقش ونگار والا عبایا اور برقعہ پہننا تبرج اور بناؤ سنگار ظاہر کرنے کے حکم میں ہے، جس سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ﴾

''اور وہ بڑی بوڑھی عورتیں جو جوانی سے گزری بیٹھی ہوں اور نکاح کی توقع نہ رکھتی ہوں، اگر وہ اپنی چادریں اتار کر رہا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ زیب وزینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں'' [النور: ٦٠]

چنانچہ جب یہ حکم بڑی بوڑھی عورتوں کے تعلق سے ہے تو نوجوان لڑکیوں کے تعلق سے کیا ہوگا؟ [مجموع فتاویٰ و رسائل ابن عثیمین: ٢٨٣/١٢]

۵۔ وہ لباس خوشبودار اور عطر بیز نہ ہو۔

عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَتْ :قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم:"إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيبًا"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ: ''جب تم میں سے کوئی مسجد جائے تو وہ خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے'' [رواه مُسلِم :٤٣٣]

امام البانی رحمہ اللہ نے ان پانچوں کو مزید تین امور کے ساتھ اپنی کتاب ''جلباب المرأة المسلمة :ص:۳۹۔۲۱۶'' کے اندر بالتفصیل دلائل کے ساتھ ''مسلم عورتوں کے پردہ کے شرائط'' کے طور پر ذکر کیا ہے۔

یہ چند ضوابط ہیں جن کے ذریعے آسانی کے ساتھ لباس کے مسائل کو ضبط کیا جا سکتا ہے اور بہت زیادہ مشقت کئے بغیر حلال اور حرام لباسوں میں تمیز کی جا سکتی ہے، اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح منہج کے مطابق دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

علماء کے قیمتی لباس اور حلال مال پر نکتہ چینی کرنا خوارج کا کام ہے

کفایت اللہ سنابلی

ابن عباس رضی للہ عنہ جب خوارج سے مناظرہ کے لیے نکلے تو اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”......فخرجت إليهم ولبست أحسن ما يكون من حلل اليمن ، قال أبو زميل كان ابن عباس جميلا جهيرا. قال ابن عباس: فأتيتهم ، وهم مجتمعون في دارهم قائلون فسلمت عليهم فقالوا: مرحبا بک يا ابن عباس فما هذه الحلة ؟ قال:قلت: ما تعيبون علي، لقد رأيت علىٰ رسول اللّٰه ﷺ أحسن ما يكون من الحلل،“ ونزلت:﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ......﴾[الأعراف:٣٢]

ترجمہ: ”......میں ان خوارج کی طرف نکلا اور میں نے یمنی کپڑوں میں سے سب سے اچھا اور قیمتی جبہ زیب تن کیا۔ ابوزمیل (راوی عن ابن عباس) کہتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت نوجوان تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان خوارج کے پاس آیا یہ لوگ اپنے ٹھکانے پر آرام کررہے تھے تو میں نے انہیں سلام کیا تو ان لوگوں نے کہا: ابن عباس خوش آمدید! یہ آپ نے کیسا کپڑا پہن رکھا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ تم لوگ مجھ پر کیا عیب لگاتے ہو، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو جبوں میں سب سے قیمتی جبہ پہنتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”آپ کہئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے......؟[المستدرك للحاكم، ط الهند:١٥٠/٢ وإسناده صحيح]

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”إني أحبُّ أن أتزين للمرأة، كما أحب أن تتزين لي، لأن اللّٰه تعالىٰ ذكره يقول:﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[البقرة:٢٢٨]

”میں عورت کے لیے زیب وزینت اختیار کرتا ہوں جس طرح میں پسند کرتا ہوں کہ عورت میرے لیے زیب و زینت اختیار کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:”اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ“[تفسير الطبري، ت شاكر:٥٣٢/٤ وإسناده صحيح]

مدینہ کا سفر

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

سفر مدینے کا ہے اور ذہن و دماغ میں صحابہ ءکرام اور نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے واقعات گھوم رہے ہیں، ہم تو جدید ٹیکنالوجی سے لیس گاڑی میں سفر کر رہے ہیں لیکن آہ وہ صحابہ ءکرام کی ہجرت! کس قدر پریشانیوں اور دکھوں سے بھری ہوئی ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، دل مغموم ہو جاتا ہے، ذہن و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، وہ اس لیے کہ ہجرت آسان کہاں ہوتی ہے؟ ہجرت کا مطلب تھا اپنا گھر، فیملی، کنبہ، قبیلہ، مال و جائیداد، پیاروں اور زمین کو چھوڑ دینا، یہ امتحان تھا اور امتحان میں ہر کوئی کہاں کامیاب ہوتا ہے، مگر صحابہ کامیاب ہو گئے، اس وقت ذہن و دماغ میں بس انہی کی یادیں بسی ہوئی ہیں، سوچ سوچ کر رونا آ رہا ہے۔

ہاں سنیں کہ مجھے ابوسلمہ یاد آ رہے ہیں جو اسلام کے سب سے پہلے مہاجر ہیں، ان کی بیوی ام سلمہ یاد آ رہی ہیں کہ ان دونوں اور ان کے بچے سلمہ کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا گیا، ابوسلمہ مدینہ چلے گئے، ام سلمہ کو ان کے میکے والے لے گئے، سلمہ کو ابوسلمہ کے گھر والے لے گئے، ہاں اس چھوٹی سی فیملی کا پل بھر میں جدا ہو جانا یاد آ رہا ہے، اور قربان جاؤں ام سلمہ پر کہ شوہر سے بچھڑ جانے کے بعد مسلسل ایک سال تک اس جدائی کے مقام پر آتی رہیں، روتی رہیں، بچھڑنے کا غم انہیں ستاتا رہا، ہاں یہ سب اس سفر میں یاد آ رہا ہے۔

صہیب رومی کی نفع بخش تجارت ذہن میں آ رہی ہے کہ روم سے آئے تھے، مکہ میں تجارت کی، مال دار ہو گئے، ہجرت کے لیے نکلے تو کافروں نے گھیر لیا، کہنے لگے: قلاش آئے تھے اب مال دار ہو چکے ہو، ہم کیسے تمہیں جانے دے سکتے ہیں۔ کہا: مال چھوڑ دوں جانے دو گے؟ کہنے لگے: جانے دیں گے۔ اللہ، رسول اور دین کی محبت کے لیے زندگی بھر کی جمع پونجی چھوڑ دی، ہجرت کر گئے، مدینہ پہنچے اور نبی کو جب اس کا علم ہوا تو آپ کی زبان سے جملہ سنا کہ صہیب نے بڑی نفع بخش تجارت کی۔

ہجرت کے موقع سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلیری اور حوصلہ دماغ پر دستک دے رہا ہے۔

صحابہ کی داستانِ ہجرت سے آگے بڑھیں تو نبی کریم ﷺ کی ہجرت ذہن میں آتی ہے، مکہ والوں نے پلان بنایا کہ اب قصہ ختم کر دیا جائے، پلان بن گیا، عمل پیرا ہونے کے لیے لوگوں نے گھر گھیر لیا، آج نکلیں گے تو مارے جائیں گے، لیکن جس کا محافظ رب ہو اس کا کون کیا کر سکتا ہے، وحی کے ذریعے کفار مکہ کے پلان کا علم ہوا تو ابوبکر سے مشورہ کیا، علی کو اپنے بستر پر سو جانے کے لیے کہا، پوری ترتیب بنالی اور رات کا ایک بڑا حصہ گزر جانے کے بعد گھر سے نکل

پڑے، ایک مٹھی مٹی لی اور کافروں کی جانب پھینکتے ہوئے آگے بڑھ گئے، اللہ کے حکم سے سارے کافروں کی نگاہوں پر پردہ پڑ گیا، سامنے سے نکل گئے، ابوبکر کے گھر پہنچے، دونوں نے پچھلے دروازے سے مدینہ کے مخالف سمت کا راستہ لیا اور سیدھے غار ثور پہنچ گئے۔

اب یہاں رکیں۔ مشرکین کی بوکھلاہٹ کا تذکرہ کروں یا صدیق کی قربانیوں کا، محبوب کو ذرا بھی تکلیف نہ ہو اس لیے صدیق پہلے غار میں گئے، غار کو اچھی طرح صاف کیا، سوراخ میں کپڑے ڈال دیئے، پھر بھی رہ گیا تو اپنا پاؤں رکھ دیا، محبوب کو آواز دی تشریف لائیں، محبوب آئے اور صدیق کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ آہ صدیق! قربان جاؤں آپ کی محبت پر! کسی جانور نے ڈس لیا، تکلیف ہوئی اور شدت کی ہوئی لیکن محبوب جب گود میں سر رکھ کر آرام فرما ہوں تو جنبش بھی نہیں کی جا سکتی نا، سو نہیں کیا، لیکن تھے انسان، جب تکلیف برداشت سے باہر ہوئی تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور وہ قطرے محبوب پر گرے تو ان کی آنکھیں کھل گئی۔ صدیق! کیا ہوا؟ آنسو کیوں گر رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ پیارے نبی! کسی جانور نے ڈس لیا۔ برکتوں والی ذات نے لعاب مبارک لگایا اور وہ تکلیف دور ہو گئی...... ہاں یہی تو محبت ہے کہ محبوب کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے اور اس کی تکلیف اپنی تکلیف ہو، ایسے ہی تو نہیں کہا نا کہ سب کے احسانات کا بدلہ چکا دیا لیکن صدیق کے احسانات کا بدلہ رب دے گا۔

دوسری طرف مشرکین انتظار کر رہے ہیں کہ اب نکلیں گے اب قتل کر دیا جائے گا، انہیں کیا معلوم کہ عرش والے کی تدبیر کے سامنے ان کی تدبیر کی کوئی حیثیت نہیں، کسی تیسرے فرد کی آمد ہوئی، کہا: کسی کا انتظار کر رہے ہو؟ جواب دیا: محمد کا۔ کہا: وہ تو تمہاری نظروں کے سامنے سے نکل گئے، کہنے لگے: بے وقوف بناتے ہو، ہم یہیں ہیں وہ یہاں سے نہیں گزرے۔ کہا: یقین نہ آئے تو اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو، ہاتھ پھیرا تو مٹی کے اثرات تھے، حیران تو ہوئے لیکن فوراً بھاگے نبی کے گھر کی طرف، دروازے کی دراز سے جھانکا تو نبی کا بستر بھی ہے، چادر بھی انہی کی ہے، لیٹا بھی کوئی ہے، کہا: یہ تو یہیں ہیں کہیں نہیں گئے، پھر انتظار کرنے لگے لیکن جب یہ وقفہ لمبا ہوا تو گھر میں گھس گئے، چادر ہٹایا، ہوش اڑ گئے، یہ تو محمد نہیں بلکہ ان کا وفادار علی ہے۔ مارا پیٹا، پوچھا محمد کہاں ہیں؟ کہنے لگے نہیں معلوم۔ مانو ان کے پیروں سے زمین کھسک گئی، بھاگے بھاگے صدیق کے گھر پہنچے، اسماء نے دروازہ کھولا، ابوجہل کا سوال آیا کہ محمد کہاں ہیں؟ ابوبکر کہاں ہیں؟ انہیں نہیں معلوم تھا سو کہہ دیا نہیں معلوم۔ ابوجہل نے تھپڑ مارا اور اسماء کی کان کی بالی گر گئی، انعام کا اعلان ہو گیا کہ جو محمد یا ابوبکر یا ان دونوں کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اسے ہر ایک کے بدلے سو سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، انعام کی لالچ نے ہر ایک کو کام پر لگا دیا۔

اب واپس غار میں آئیں، نبی نے ہجرت کا ایسا خاکہ ترتیب دیا تھا کہ عقل حیران ہے، مکہ میں کیا چل رہا ہے خبریں ابوبکر کے بیٹے عبداللہ لے کر آتے تھے، ان کے آنے جانے کے نشانات چرواہا عامر بن فہیرہ کی بکریوں کے قدموں سے مٹ جاتے تھے، جانور تیار کر لیے گئے تھے، رہنما کی خدمات لی جا چکی تھیں، خبر ملی کہ انعام کا اعلان ہو چکا ہے، لوگ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، کچھ تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک بھی پہنچے، صدیق بے چین ہو گئے، اللہ کے رسول! یہ ہمارے اتنے قریب ہیں کہ بس نگاہیں نیچی کریں تو ہمیں دیکھ لیں گے، ہاں محبوب وہی ہے جو تسلی کا سامان فراہم کرے، جو مشکل کے وقت بھی کنٹرول میں رہے اور رکھے، محبوب نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ابوبکر! تمہارا ان دو لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟ پریشان نہ ہوں اللہ ہمارے ساتھ ہے، محبوب نے تسلی دی تو صدیق پرسکون ہو گئے، تاک میں آنے والے قریب آ کر بھی دور چلے گئے۔

تین دن گزرے، تو نکلنے کا ارادہ ہوا اور اب اصل سفر شروع ہوا ہجرت کا، پورے ساڑھے چار سو کلومیٹر کا لمبا سفر، ریت، پتھر اور پہاڑوں کا راستہ، دھوپ کی شدت، جانور کی سخت پیٹھ، نشیب و فراز اور تلاش کرنے والوں کا خوف...... لیکن میرے ماں باپ قربان ہوں اُس نبی پر، دین کے لیے، امت کے لیے اور رب کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا، سوچو تو خوف آتا ہے کہ اتنا لمبا سفر کبھی پیدل کبھی سواری پر کیسے انہوں نے طے کیا ہوگا؟ ہم اے سی گاڑی میں چھ گھنٹے کے سفر سے ہی پریشان ہو جاتے ہیں تو ذرا ان کے بارے میں بھی سوچ لینا۔

قصہ مختصر یہ کہ مدینے کا سفر بہت سی یادوں کے پردے کھول دیتا ہے، کبھی اس سفر پر نکلو تو ان کی پریشانیوں اور قربانیوں کو بھی یاد کر لینا۔ اور ہاں مکہ سے نکلتے ہوئے جب ہماری کیفیت بدل جاتی ہے، محبت کا جذبہ ابھر جاتا ہے، آنکھوں سے آنسو آ جاتے ہیں، مکہ کی جدائی ستاتی ہے، دل پر کچوکے لگتے ہیں تو آپ سوچیں اُس نبی کے جذبات اور کیفیت کا عالم کیا ہوگا جس کی پیدائش وہیں کی، جس کا بچپن وہیں گزرا، جس کا خاندان وہاں پر، جس کے اپنے وہاں موجود، جس کی چہیتی بیوی کی قبر وہاں موجود ہو، مکہ سے جانے لگے تو اظہار بھی کیا تھا: اے مکہ! مجھے تجھ سے محبت ہے، تو میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے، اگر تیرے اپنے مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں تجھے چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔

فداه أبي وأمي ﷺ...اللهم صل وسلم علىٰ نبينا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وسلم تسليما كثيرا

صحابہ ہماری جان... صحابہ پر ہم قربان. رضی اللّٰہ عنھم اجمعین

ربنا اغفرلنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنک رء وف رحيم.

۱۵رفروری ۲۰۲۳ء بروز بدھ

(قسط ثالث)

زانیہ حاملہ کی زناکرنے والے کے ساتھ شادی

کفایت اللہ سنابلی

زانیہ حاملہ سے زانی کی شادی ناجائز ہونے پر دلائل:

ماقبل میں مذکور تمام حوالہ جات سے جمہور اہل علم کا موقف یہی سامنے آتا ہے کہ زانیہ حاملہ سے اس کے ساتھ زنا کرنے والا وضع حمل سے قبل شادی نہیں کرسکتا۔ اب کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے اس کے دلائل ملاحظہ ہوں:

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے'' [الطلاق: ٤]

اس آیت میں ایک عمومی حکم ہے کہ حاملہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس عموم میں مزنیہ حاملہ بھی شامل ہے۔

حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت سے ثابت ہے کہ حاملہ عورت سے بھی حالت حمل میں نکاح جائز نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں حمل سے وہ حمل مراد ہے جو ثابت النسب ہو اور زنا سے جو حمل ہو وہ ثابت النسب نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ قید مذکور نہیں ہے اور نہ کسی آیت یا حدیث میں یہ قید مذکور ہے اور اپنی طرف سے کوئی قید لگانا جائز نہیں ہے۔ پس یہ آیت اپنے اطلاق پر باقی رہے گی، ہاں اگر یہ عورتیں زنا سے سچی توبہ کرڈالیں تو ان کا نکاح بعد وضع حمل کے جائز ہے کیونکہ آدمی جب گناہ سے سچی توبہ کرڈالتا ہے تو گناہ سے بالکل پاک ہوجاتا ہے پس یہ عورتیں زنا سے توبہ کرڈالنے کے بعد زانیہ ہی نہ رہیں بلکہ عفیفہ ہوگئیں۔ پس اس سے پہلی وجہ نکاح کے ناجائز ہونے کی جاتی رہی اور وضعِ حمل کے بعد حاملہ بھی نہیں رہیں، پس دوسری وجہ بھی جاتی رہی اور جب ان عورتوں کا حالتِ حمل میں نکاح ہی جائز نہیں تو وطی کیوں کر جائز ہوگی؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [مجموعہ فتاویٰ عبداللہ غازی پوری: ج: ١، ص: ٤٣٠]

دوسری دلیل: اللہ کے نبی ﷺ کی حدیث ہے: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَرَفَعَهُ، أَنَّهُ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسَ: ''لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ اوطاس کی قیدی عورتوں (لونڈیوں) کے متعلق فرمایا: ''کسی بھی حاملہ سے وضع حمل سے قبل جماع نہ کیا جائے اسی طرح کسی بھی غیر حاملہ سے جماع نہ کیا جائے، یہاں تک کہ اسے ایک حیض آجائے'' [سنن أبي داؤد: رقم: ٢١٥٧، وصححه الألباني]

اس حدیث میں بھی یہ عمومی ضابطہ بتایا گیا ہے کہ حاملہ سے وضع حمل سے قبل وطی جائز نہیں ہے۔لہٰذا حمل جب وطی سے مانع ہے تو حمل نکاح سے بھی مانع ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱) فرماتے ہیں:''وَنَهَى النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُوطَأَ الْمَسْبِيَّة الْحَامِلِ حَتَّى تَضَع مَعَ أَنَّ حَمْلهَا مَمْلُوك لَهُ فَالْحَامِل مِنَ الزِّنٰى أَوْلَى أَنْ لَا تُوطَأ حَتَّى تَضَع وَلِأَنَّ مَاء الزَّانِي وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حُرْمَة فَمَاء الزَّوْج مُحْتَرَم فَكَيْفَ يَسُوغ لَهُ أَنْ يَخْلِطهُ بِمَاءِ الْفُجُور''

''اللہ کے نبی ﷺ نے اس بات سے روکا ہے کہ حاملہ لونڈی سے وطی کی جائے جب تک کہ وہ بچہ نہ جَن دے، حالانکہ وہ بچہ بھی صاحب لونڈی کا غلام ہی ہوتا تو پھر زنا سے حاملہ ہونے والی عورت کے ساتھ وطی بدرجہ ناجائز ہوگی کیونکہ زانی کے نطفہ (خون) کا گرچہ کوئی احترام نہیں ہے لیکن شوہر کا نطفہ (خون) قابل احترام ہے تو شوہر کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ حرام نطفہ (خون) کے ساتھ اپنے حلال نطفہ (خون) کو خلط ملط کرے''[تهذيب سنن أبي داؤد ـط عطاء ات العلم:۱/۴۵۳]

تیسری دلیل: امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۱) نے کہا: أخبرنا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ:أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، أَنَّهُ سَمِعَ سِبَاعَ بْنَ ثَابِتٍ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ:''إِنَّ مَوْهَبَ بْنَ رَبَاحٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلِلْمَرْأَةِ ابْنَةٌ مِنْ غَيْرِ مَوْهَبٍ، وَلِمَوْهَبٍ ابْن مِنْ غَيْرِ امْرَأَتِهِ، فَأَصاب ابْنُ مَوْهَبٍ ابْنَةَ الْمَرْأَةِ، فَرُفِعَ ذٰلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَحَدَّ عُمَرُ ابْنَ مَوْهَبٍ، وَأَخَّرَ الْمَرْأَةَ حَتَّى وَضَعَتْ، ثُمَّ حَدَّهَا، وَحَرَصَ عَلٰى أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَهُمَا، فَأَبَى ابْنُ مَوْهَبٍ''

سباع بن ثابت زہری فرماتے ہیں کہ:''موہب بن رباح نے ایک عورت سے شادی کی اور اس عورت کے پاس پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی اور موہب کے پاس اس عورت کے علاوہ دوسری بیوی سے ایک لڑکا تھا تو موہب کے لڑکے نے اس عورت کی لڑکی سے زنا کرلیا،تو یہ معاملہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے موہب کے بیٹے کو کوڑے لگائے اور لڑکی پر حد جاری کرنے میں تاخیر کی یہاں تک کہ اس نے بچے کو جنم دیا پھر اس پر بھی حد جاری کی،اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی شادی کرانی چاہی لیکن لڑکے ابن موہب نے انکار کردیا''[مصنف عبد الرزاق:۷/۱۵۸ ط التأصيل ، وإسناده صحيح]

اس اثر میں غور کریں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ دونوں زانی آپس میں شادی کرلیں لیکن اس کے باوجود بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زانیہ کے وضع حمل سے پہلے ان دونوں کی شادی کی بات نہیں کی بلکہ پہلے زانیہ کے

وضع حمل کا انتظار کیا پھر اس پر حد جاری کی اس کے بعد دونوں کی شادی کی بات کی۔

اس کے برعکس عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا کسی بھی دوسرے صحابی کا کوئی قول بسندِ صحیح ہم کو نہیں مل سکا۔

معلوم ہوا کہ زانیہ حاملہ سے وضعِ حمل سے قبل کوئی بھی شادی نہیں کرسکتا حتیٰ کہ اس کے ساتھ زنا کرنے والا بھی۔

فریق مخالف کے دلائل کا جائزہ:

پہلی دلیل: شادی میں اصل جواز ہے اور زانیہ حاملہ سے زانی کی شادی ناجائز ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے اس لیے یہ شادی جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح اور صریح احادیث میں حاملہ عورت سے عدت سے پہلے یعنی وضع حمل سے قبل شادی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس عموم میں زانیہ حاملہ اور زانی کی شادی بھی شامل ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ مختلعہ حاملہ کی شادی اسی شوہر سے دوران عدت ہی ہوسکتی ہے کیونکہ حمل اسی کا ہے۔ اسی طرح مزنیہ حاملہ کی شادی بھی اس کے ساتھ زنا کرنے والے سے ہوسکتی ہے کیونکہ یہ حمل اسی کا ہے۔

تو عرض ہے اول تو مختلعہ حاملہ کے اپنے سابق شوہر سے دوران عدت شادی پر بھی سب کا اتفاق نہیں ہے، کیونکہ بعض اہل علم اس کے لیے بھی استثناء کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کی نظر میں حاملہ سے شادی کی ممانعت کا حکم تعبدی اور غیر معقول العلۃ ہے، لہٰذا قیاس واجتہاد سے کسی کا استثنا نہیں ہوسکتا۔

ابن رشد الحفید (ت ۵۹۵ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”**أن الجمهور أجمعوا علىٰ أن له أن يتزوجها برضاها فی عدتها، وقالت فرقة من المتأخرين :لا يتزوجها هو ولا غيره فی العدة. وسبب اختلافهم :هل المنع من النكاح فی العدة عبادة، أو ليس بعبادة بل معلل**“؟

”جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مختلعہ اگر راضی ہو تو اس سے دوران عدت اس کا سابق شوہر شادی کرسکتا ہے، جبکہ متاخرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ مختلعہ سے دوران عدت نہ تو اس کا سابق شوہر نکاح کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی دوسرا نکاح کرسکتا ہے، ان اہل علم کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ دوران عدت شادی کی ممانعت کا حکم تعبدی ہے یا تعبدی نہیں بلکہ معقول العلہ ہے“ [بداية المجتهد و نهاية المقتصد:۹۲/۳]

البتہ جمہور اہل علم جواز کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم معقول العلۃ ہے اور اس کی علت نسب کی حفاظت اور حلال وحرام خون میں تمیز ہے اور مختلعہ حاملہ کا حمل اپنے سابق شوہر ہی کا ہے اور حلال خون سے ہے۔ لہٰذا یہاں نسب کے ثبوت اور حلال وحرام کے اختلاط کا کوئی شبہ نہیں ہے اس لیے یہ شادی جائز ہے۔

لیکن یہی جمہور مزنیہ حاملہ سے اس کے زانی کی شادی کو جائز نہیں ٹھہراتے اس کی دو وجہ ہے:

اول: اس حمل کا سبب گرچہ زانی ہے لیکن شرعاً یہ بچہ زانی کا نہیں مانا جائے گا۔

دوم: زانیہ کا حمل حرام نطفے سے ہے اور اس حالت میں اس سے شادی کی گئی تو اس کے ساتھ حلال نطفہ خلط ملط ہوگا۔

یہ دونوں صورتیں مختلعہ حاملہ کے اپنے سابق شوہر کے ساتھ شادی میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ مختلعہ کا حمل اس کے شوہر کا ہی ہوتا ہے، نیز یہ حمل بھی حلال نطفہ کا ہوتا ہے۔لہٰذا زانیہ حاملہ کو مختلعہ حاملہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ جمہور مختلعہ حاملہ کی اس کے شوہر سے شادی کو جائز مانتے ہیں لیکن زانیہ حاملہ کی اس کے ساتھ زنا کرنے والے کے ساتھ شادی جائز نہیں مانتے۔

دوسری دلیل:

جمہور جو زانیہ حاملہ کی شادی اس کے زانی سے جائز نہیں مانتے تو ان کے موقف کی بنیاد یہ ہے کہ وہ زنا سے نسب کو ثابت نہیں مانتے اور جمہور کی یہ بنیاد ہی درست نہیں کیونکہ زانی اگر اپنے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کا اقرار کرے اور اس کے برخلاف کوئی دوسرا اس بچہ کا دعویدار نہ ہو تو ایسی صورت میں اس بچہ کا نسب زانی سے ثابت ہوگا۔لہٰذا جب نسب ثابت ہوگا تو زانی اپنی مزنیہ حاملہ سے شادی کرسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں نسب کے اختلاط کا مسئلہ نہیں ہے۔

عرض ہے کہ: اول تو جمہور کی مذکورہ بنیاد غلط نہیں بلکہ بالکل درست ہے یعنی واقعتاً زنا سے کسی بھی صورت میں نسب کا اثبات نہیں ہوگا تفصیل آگے آرہی ہے۔ دوم یہ کہ زنا سے نسب کے اثبات کا مسئلہ تسلیم کرلیا جائے تب بھی زانیہ حاملہ سے زانی کی شادی کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا، چنانچہ غور کریں کہ:

احناف زنا سے نسب کو ثابت مانتے ہیں، جبکہ شوافع زنا سے نسب کو ثابت نہیں مانتے، لیکن اس اختلاف کے باوجود دونوں زانیہ حاملہ سے زانی کی شادی درست مانتے ہیں۔

دوسری طرف بعض حنابلہ زنا سے نسب کو ثابت مانتے ہیں، جبکہ مالکیہ زنا سے نسب کو ثابت نہیں مانتے، لیکن اس اختلاف کے باوجود دونوں زانیہ حاملہ سے زانی کی شادی کو ناجائز مانتے ہیں۔

اس لیے بالفرض اس بات کو درست بھی مان لیا جائے کہ زنا سے نسب ثابت ہوجاتا ہے تو بھی اس سے زانیہ حاملہ سے وضع حمل سے قبل زانی کی شادی کا درست ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ اس کی تفصیل پیش کی جاچکی ہے۔

اب اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے تاہم اگلی سطور میں ہم یہ بھی واضح کریں گے کہ زنا سے نسب کے اثبات ونفی کے مسئلہ میں بھی جمہور کا موقف ہی درست ہے۔

جاری ہے............

محرّم الحرام کی بے حرمتی وغیر شرعی رسومات، اورمحرم ویوم عاشوراء کے روزوں کی فضیلت

فرزانہ صالحاتی جامعۃ الرشاد لتعلیم البنات (نڈیاد، گجرات)

قارئین! جب تک اسلام عرب کی زمین تک محدود رہا اس وقت تک مسلمانوں کا معاشرہ اوران کا طرزِ زندگی بالکل ہی سادہ اور ہر قسم کی رسومات اور بدعات وخرافات سے پاک صاف رہا۔ لیکن جب اسلام عرب سے باہر نکل کر دوسرے ملکوں میں پہنچا تو دوسری قوموں اور دوسرے مذہب والوں کے میل جول اوران کے ماحول کا اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کے طریقۂ زندگی پر بہت زیادہ اثر پڑا اور کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی بہت سی غلط سلط اور من گھڑت رسموں کا مسلمانوں پر ایسا جارحانہ حملہ ہوا، اور مسلمان ان مشرکانہ رسموں میں اس قدر ملوث ہوگئے کہ اسلامی معاشرہ کا چہرہ مسخ ہوگیا اور مسلمان رسم ورواج کی بلاؤں میں گرفتار ہوکر خیر القرون کی سیدھی سادی اسلامی طرز زندگی سے بہت دور ہوگئے۔

چنانچہ خوشی وغمی، پیدائش وموت، ختنہ وشادی بیاہ وغیرہ الغرض مسلمانوں کی جملہ تقریبات بلکہ ان کی زندگی وموت کے ہر مرحلہ اور موڑ پر نت نئ وغیر شرعی رسموں کی فوجوں کا اس طرح عمل دخل ہوگیا ہے کہ مسلمان اپنی تقریبات کو باپ داداؤں کی ان روایتی رسموں سے الگ کرہی نہیں پائے جس کی بنا پر یہ صورتحال ہے کہ:

یہ امت روایات میں کھوگئی　　　　حقیقت خرافات میں کھوگئی

قارئین! ویسے تو جنگ وجدل، قتل وغارت گری، خونریزی اور فتنہ وفساد کی کسی بھی مہینے، ہفتے اور دن میں اجازت نہیں تاہم حرمت والے مہینوں میں خاص طور پر گناہ، لڑائی جھگڑا، ظلم وزیادتی، اشتعال انگیزی اور فتنہ وفساد کی ہر ممکنہ شکل سے اجتناب کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ ماہِ محرم کی حرمت کو اتنا ہی پامال کرتے ہیں جتنا کہ اس کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات موجود ہیں:

(۱) ﴿اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ، فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾

’’حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے‘‘ [البقرة:١٩٤]

(۲) ﴿يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ، قُلۡ قِتَالٌ فِيۡهِ كَبِيۡرٌ، وَصَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَكُفۡرٌ،

بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرمادیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانۂ کعبہ) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے اور یہ فتنہ انگیزی قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے'' [البقرة:۲۱۷]

(۳)﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت (وادب) والے مہینے کی (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی ماہ کی) اور نہ حرم کعبہ کو بھیجے ہوئے قربانی کے جانوروں کی اور نہ مکّہ لائے جانے والے ان جانوروں کی جن کے گلے میں علامتی پٹے ہوں اور نہ حرمت والے گھر (یعنی خانۂ کعبہ) کا قصد کرکے آنے والوں (کے جان ومال اور عزت وآبرو) کی (بے حرمتی کرو کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے رب کا فضل اور رضا تلاش کررہے ہیں'' [المائدة:۲]

(۴)﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ، ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

''اللہ نے عزت (وادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی ودنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنادیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرمِ مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت واحترام عطا کردیا گیا ہے)، یہ اس لیے کہ تمہیں علم ہوجائے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے'' [المائدة:۹۷]

(۵)﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا ان میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) حرمت والے ہیں'' [التوبة:۳۶]

اسی طرح ماہ محرم کی حرمت کی پامالی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت پر نالہ و شیون اور نوحہ وماتم کیا جاتا ہے۔ اپنے جسم کو از خود سخت تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ تیز دھاری آلات سے جسم کو زخمی کیا جاتا ہے۔ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے رنج وغم میں آہ وبکا کا ایسا عجیب وحشیانہ اور خوفناک منظر برپا کیا جاتا ہے کہ الامان

والحفیظ! اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ کسی کی وفات یا شہادت پر رنج وغم اور افسوس کا اظہار نہ کیا جائے لیکن یہ اظہار شرعی حدود میں رہتے ہوئے ہونا چاہئے جبکہ نوحہ وماتم کرنے والے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

''لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلية''

''وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے، گریبان چاک کئے اور دورِ جاہلیت کے بین کئے''

[صحیح بخاری:۱۲۹۷]

چند غیر شرعی رسم ورواج:

بدقسمتی سے لوگوں میں پائی جانے والی خرافات وغیر شرعی رسومات ان کے یومیہ اور ماہانہ وسالانہ معمولات کا حصہ بن چکی ہیں اور وہ بڑے اہتمام کے ساتھ ان رسومات کی ادائیگی کرتے نظر آتے ہیں۔ میری اس تحریر کا موضوع اسلامی سال کے پہلے بابرکت اور حرمت والے مہینے محرم الحرام میں پائی جانے والی خرافات وبدعات ہیں، جن کے سبب اس ماہ مقدس کی نا صرف بے حرمتی ہوتی ہے بلکہ اسلامی اقدار کا کھل کر مذاق بھی اڑایا جاتا ہے نیز بالخصوص شہدائے کربلا کی یادمنانے کی آڑ میں ایسے غیر شرعی کام سرانجام دیئے جاتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

* تعزیوں کو ماتم کرتے ہوئے گلی گلی پھرانا، تعزیوں کے سامنے سجدہ کرنا، بچوں کو محرم کا فقیر بنا کر بھیک منگوانا۔
* مال کو ضائع کرنا، برتن پھوڑنا، دسویں محرم کو گھر میں کھانا پکانے کو معیوب سمجھنا، خود کو فقیر بنا کر بھیک مانگنا وغیرہ۔
* ماتم کرنا، کپڑے پھاڑنا، نوحے پڑھنا، رونا پیٹنا، بطور سوگ سیاہ لباس پہننا، کالے بلے پہننا، نئے لباس کو برا سمجھنا وغیرہ۔
* ناچنا، کودنا، رقص کرنا، مرد وعورت کا ایک ساتھ مجالس ومحافل میں بیٹھنا، جھوٹے واقعات بیان کرنا وغیرہ۔
* جھوٹی منتیں ماننا، امام قاسم کی مہندی نکالنا، فضول کاموں میں لگ کر نمازیں ترک کر دینا وغیرہ۔
* محرم الحرام میں شادی بیاہ ودیگر تقریبات کو ممنوع اور باعث نحوست سمجھنا، حالانکہ بعض روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح محرم الحرام میں ہی ہوا تھا۔

مذکورہ خرافات وبدعات یا اس طرح کی اور رسومات جو مسلمانوں میں رائج ہیں سب ناجائز وممنوع ہیں ان سے بچنا ہر صورت لازم ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خرافات ہماری دنیا اور آخرت کی بربادی کا سبب بن جائیں اور ہمیں علم بھی نہ ہو۔

محرم الحرام میں شادی کرنا کیسا؟

بعض لوگ محرم الحرام میں شادی کرنے کو برا تصور کرتے ہیں اور اسے بدشگونی (اپنے حق میں برا) قرار دیتے ہیں،

اسی طرح دیگر جائز کاموں کو ناجائز سمجھنا یا غیر شرعی رسومات کو اچھا شگون سمجھنا یعنی اپنے حق میں بہتر جاننا ایسے لوگوں کے لیے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ''بدشگونی شرک (یعنی مشرکوں جیسا کام) ہے اور ہمارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ اسے توکل کے ذریعے دور کردیتا ہے'' [سنن ابی داؤد: ۳۹۱۰، صحیح]

ایک اور روایت میں ہے: ''جس نے بَدشگونی لی اور جس کے لیے بَدشگونی لی گئی وہ ہم میں سے نہیں۔ (یعنی ہمارے طریقے پر نہیں)'' [المعجم الکبیر: ۳۵۵]

قارئین! دراصل اس مہینے کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات بخشی اور دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ ''شہر اللہ المحرم'' اللہ نے اس مہینے کی نسبت اپنی جانب کی ہے حالانکہ تمام مہینے اللہ ہی کے بنائے ہوئے مہینے ہیں مگر جب کسی چیز کی نسبت اللہ اپنی جانب کردے تو اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، جیسے دیکھیں گھر تو بہت سارے ہیں لیکن اگر کسی گھر کی نسبت اللہ کی طرف ہو جائے جیسے ''بیت اللہ'' ''اللہ کا گھر'' تو اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ سبحان اللہ۔

محرم کے روزوں کی فضیلت:

رمضان المبارک کے روزے سال بھر کے دیگر تمام روزوں سے افضل ہیں۔ البتہ رمضان کے ماسوا محرم کے روزوں کی فضیلت سب سے بڑھ کر ہے، جیسا کہ درج ذیل صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ''

''رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات (یعنی تہجد) کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے'' [مسلم: ۱۱۶۳]

* صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ:

''أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ وَأَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟''

''فرض نمازوں کے بعد کون سی نماز سب سے افضل ہے اور رمضان المبارک کے بعد کون سے روزے سب سے افضل ہیں؟'' [مسلم: ۱۱۶۳] تو آپ ﷺ نے وہی جواب دیا جو پہلی حدیث میں مذکور ہے۔

یومِ عاشوراء کی فضیلت:

۱۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ"

"مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا" [مسلم : ١١٦٢]

واضح رہے کہ "عاشوراء" عشر سے ہے جس کا معنی ہے دس۔ اور محرم کی دسویں تاریخ کو عاشوراء کہا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "قریش کے لوگ دورہ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے اور نبی اکرم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو تب بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے اور صحابہ کرام کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا آپ نے حکم دے رکھا تھا۔ البتہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب جو چاہے یہ روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے" [صحيح بخاری:٢٠٠٣،صحيح مسلم: ١١٢٥]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمان بھی اس دن روزہ رکھتے۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " إِنَّ عَاشُورَاءَ يَوْمٌ مِنْ أَيَّامِ اللّٰهِ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ "

"عاشورا اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک (معزز) دن ہے لہٰذا جو اس دن روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھے اور جو نہ رکھنا چاہے وہ نہ رکھے" [صحيح مسلم:١١٢٦]

تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ کیوں رکھتے تھے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہر سال ماہِ محرم کی اس تاریخ کو بیت اللہ کو غلاف پہنایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے۔ [صحيح بخاری:١٥٨٢]

لیکن اس پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قریش غلافِ کعبہ کے لیے یہی دن کیوں خاص کرتے تھے؟ تو اس کا جواب (اور پہلے سوال ہی کا دوسرا جواب) یہ ہوسکتا ہے جو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"دورِ جاہلیت میں قریش نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جو ان پر بڑا گراں گزرا تو ان سے کہا گیا کہ تم لوگ عاشوراء کا روزہ رکھو یہ تمہارے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ پھر اس وقت سے قریش عاشوراء کا روزہ رکھنے لگے" [فتح الباری:٧٧٣/٤، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء]

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان

سے پوچھا کہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک اچھا (افضل) دن ہے اور یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات بخشی (اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت بحیرۂ قلزم میں غرقاب کیا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (بطورِ شکرانہ) اس دن روزہ رکھا (اور ہم بھی روزہ رکھتے ہیں) تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے (شریکِ مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا'' [صحیح بخاری:٢٠٠٤،صحیح مسلم:١١٣٠]

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ دنوں میں سے دسویں محرم (یوم عاشوراء) کے اور مہینوں میں سے ماہِ رمضان کے روزوں کے سوا کسی اور روزے کو افضل سمجھ کر اس کا اہتمام کرتے ہوں'' [صحیح بخاری:٢٠٠٦،صحیح مسلم:١١٣٢]

۶۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''عاشوراء کے روز یہودی عید مناتے مگر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھا کرو'' [صحیح بخاری:٢٠٠٥،صحیح مسلم:١١٣١]

۷۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ: ''اہل خیبر عاشوراء کے دن، روزہ رکھتے اور اس دن عید مناتے اور اپنی عورتوں کو اچھے اچھے لباس اور زیورات پہناتے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھو'' [صحیح مسلم:٢٦٦١]

۸۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب دسویں محرم کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دن کو یہود و نصاریٰ بڑی تعظیم و اہمیت دیتے ہیں۔ (یعنی ان کی مراد یہ تھی کہ آپ تو ہمیں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں اور یوم عاشوراء کے معاملہ میں تو ان کی موافقت ہو رہی ہے۔) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ''

''آئندہ سال اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے اللہ کے رسول انتقال فرما گئے'' [صحیح مسلم ١١٣٤]

۹۔ مسلم کی ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ: ''لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ''

''اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو ضرور نو کا روزہ رکھوں گا'' [صحیح مسلم:١١٣٤]

اللہ ہم تمام کو غیر شرعی رسومات سے بچنے اور محرم الحرام کی فضیلت کو حاصل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین

(قسط اول)

شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ کا تعاقب (۱)

حدیث:"اَعْظَمُ الْاَیَّامِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ یَوْمُ الْقَرِّ"اور ایک اعتراض کا مسکت جواب

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

الحمد للّٰہ وحدہ، والصّلاۃ والسّلام عَلٰی مَن لا نبی بعدہ، اما بعد:

امام الائمہ محمد بن اسحاق السلمی، المعروف بابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

ثَنَا مُحَمَّدُ بُنُ بَشَّارٍ، ثنا یَحْیَی، ثنا ثَوْرٌ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ لُحَیٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ قُرْطٍ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:"اَعْظَمُ الْاَیَّامِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ یَوْمُ الْقَرِّ"

(ترجمہ) عبداللہ بن قرط الازدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر (دس ذوالحجہ) ہے، پھر یوم القر (گیارہ ذوالحجہ) ہے"

(تخریج)[صحیح ابن خزیمة بتحقیق الاعظمی:٤/٣١٥، ح:٢٩٦٦،و سنن ابی داؤد بتحقیق شعَیب الارنوؤط و رفقائه :٣/١٨٠، ح:١٧٦٥، و صحیح ابن حبان بتحقیق شعیب الارنوؤط:٧/٥١، ح:٢٨١١، و المستدرك علی الصحیحین للحاکم بتحقیق مصطفی عبد القادر عطا:٤/٢٤٦، ح:٧٥٢٢،و السنن الکبریٰ للبیهقی بتحقیق محمد عبد القادر عطا:٧/٤٧٠، ح:١٤٦٨٥]

(حکم حدیث) یہ حدیث صحیح ہے۔ائمۂ کرام کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔کما سیاتی اِن شا اللہ تعالیٰ اِس کے برخلاف-میرے علم کی حد تک- کسی بھی امام نے اِس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔واللہ اعلم۔

ایک اعتراض کا مُسکِت جواب:

ایک عالمِ دین مذکورہ حدیث کی بابت فرماتے ہیں: سند ضعیف ہے۔عبداللہ بن لحی کا سیدنا عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہوسکا۔(فتاویٰ امن پوری: قسط:۳۷۹)

راقم کہتا ہے کہ عبداللہ بن لحی الشامی رحمہ اللہ کا عبداللہ بن قرط الازدی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔

دلائل پیش خدمت ہیں:

پہلی دلیل : ائمۂ کرام کے اقوال

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

”سَمِعَ: بِلالَ بْنَ رَبَاحٍ، وَمُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِی سُفْيَانَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قُرْطٍ“

”عبداللہ بن لحی رحمہ اللہ نے بلال بن رباح، معاویہ بن سفیان اور عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہم سے سنا ہے“

[تلخیص المتشابه فی الرسم بتحقیق سُکینة الشهابی :۷٦۷/۲]

پھر زیر بحث حدیث کو نقل کیا ہے۔

امام ابونصر علی بن ہبۃ اللہ، المعروف بابن ماکولا رحمہ اللہ (المتوفی:۴۷۵ھ) فرماتے ہیں:

”سمع بلال بن رباح ومعاوية بن ابی سفيان وعبد اللّٰه بن قرط“

”عبداللہ بن لحی الہوزنی الشامی نے بلال بن رباح، معاویہ بن سفیان اور عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہم سے سنا ہے“

[الإکمـال فـی رفـع الارتیاب عن الموتلف والمختلف فی الاسماء والکنی والانساب :۱٤۷/۷، الناشر: دار الکتب العلمیة -بیروت-لبنان]

امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

”وسَمِعَ: عُمَر، ومعاذ بْن جَبَل، وبلالا، وعَبْد اللّٰهِ بْن قُرْط......“

”عبداللہ بن لحی رحمہ اللہ نے عمر، معاذ بن جبل، بلال اور عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہم سے سنا ہے“ [تاریخ الإسلام بتحقیق الدکتور بشار عواد:۸۹۷/۲، ت:۱۳٦]

دوسری دلیل: ائمہ کرام کی تصحیح

عبداللہ بن لحی الشامی رحمہ اللہ کی بیان کردہ زیر بحث حدیث کو فن جرح وتعدیل کے جہابذہ نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے جو کہ اِس بات پر دال ہے کہ زیر بحث حدیث اُن کے نزدیک متصل اور صحیح ہے۔ اگر اُن کے نزدیک زیر بحث حدیث منقطع ہوتی تو صحیح یا حسن قرار نہیں دیتے۔ واللہ اعلم۔

ائمہ کرام کے نام مع حوالہ پیشِ خدمت ہیں:

(۱) امام الائمہ ابوبکر محمد بن اسحاق السلمی، المعروف بابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۱ھ)

آپ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں زیر بحث حدیث کو تین جگہ احتجاجاً نقل کیا ہے۔

دیکھیں: [صحیح ابن خزیمة بتحقیق الاعظمی: ۲۷۳/٤، ح:۲۸٦٦و:۲۹٤/٤، ح:۲۹۱۷و۳۱۵/٤، ح:۲۹٦٦]

(۲) امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴ھ)

آپ رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث کو اپنی صحیح میں احتجاجاً جگہ دی ہے۔

دیکھیں:[صحیح ابن حبان بتحقيق شعيب الارنؤوط:۷/۵۱، ح:۲۸۱۱]

(۳) امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۰۵ھ)

آپ رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

دیکھیں:[المستدرك على الصحيحين للحاكم بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا : ۴/۲۴۶، ح:۷۵۲۲]

(۴) امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸ھ)

آپ رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

دیکھیں: [السنن الكبير بتحقيق الدكتور عبد الله التركي:۱۵/۹۲، ح:۱۴۸۰۰]

(۵) امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸ھ)

آپ رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دیکھیں: [المستدرك على الصحيحين للحاكم بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا:[۴/۲۴۶، ح:۷۵۲۲]

ائمہ کرام کے علاوہ محققین کی ایک بڑی جماعت نے زیر بحث حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جیسے علامہ البانی، شیخ شعیب ارنووَط اور اُن کی ٹیم وغیرہ۔

اِس پر مزید یہ کہ میرے علم کی حد تک فن جرح وتعدیل کے کسی بھی امام نے یہ بات نہیں کہی کہ عبداللہ بن لحی الشامی رحمہ اللہ کا عبداللہ بن قرط الازدی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے اور نا ہی فن جرح وتعدیل کے کسی بھی امام نے عبداللہ بن لحی عن عبداللہ بن قرط کے طریق سے مروی کسی بھی حدیث کو عبداللہ بن لحی اور عبداللہ بن قرط کے مابین انقطاع کی علت کی وجہ سے مردود قرار دیا ہے۔ فیما اعلم واللہ اعلم۔

ایک اہم بات:

جس فتوے کا جواب اِس تحریر میں دیا گیا ہے، اسے ایک بھائی نے واٹس اپ کے ایک گروپ میں ارسال کیا تھا۔ جب اُن سے یہ بات پوچھی گئی کہ عبداللہ بن لحی رحمہ اللہ کا عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، یہ بات صاحب فتویٰ نے کس دلیل کی بنیاد پر کہی؟ تو انہوں نے اِس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا اور نا ہی صاحب فتویٰ -حفظہ اللہ- نے کوئی جواب دیا جبکہ وہ گروپ میں موجود ہیں۔

جب میں نے تفتیش کی کہ شیخ حفظہ اللہ نے ایسی بات کیسے کہہ دی جس کی دلیل جرح وتعدیل کے کسی بھی امام سے

نہیں ملتی؟ تو معلوم ہوا کہ صاحب ''انیس الساری'' شیخ نبیل بن منصور الکویتی حفظہ اللہ کے کلام کو دیکھ کر شیخ نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ اگر شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے کلام کو دیکھ کر یہ دعویٰ نہیں کیا ہے تو شیخ سے گزارش ہے کہ آپ نے یہ دعویٰ کس بنیاد پر کیا ہے؟ برائے مہربانی بتائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

صاحب ''انیس الساری'' حفظہ اللہ زیر بحث حدیث کی تخریج، امام حاکم کی تصحیح اور امام بیہقی کی تحسین نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''رواته ثقات إلا ان عبد اللّٰه بن لحی لم یذکر سماعا من عبد اللّٰه بن قرط فلا ادری اسمع منه ام لا''. ''اِس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں مگر عبداللہ بن لحی الشامی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے سماع ذکر نہیں کیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے اُن سے سنا ہے یا نہیں'' [انیس الساری فی تخریج وَتحقیق الاحادیث التی ذکرها الحَافظ ابن حَجر العسقلانی فی فَتح البَاری: ۷/ ۵۰۹۱، رقم:۳٦٤۷]

راقم کہتا ہے کہ:

(۱) شیخ نبیل بن منصور حفظہ اللہ نے زیر بحث حدیث کی تخریج میں ''تلخیص المتشابہ للخطیب'' کا ذکر کیا ہے اور وہاں امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ ابن لحی الشامی نے ابن قرط الازدی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ اُس کے باوجود پتہ نہیں کیوں شیخ کہہ رہے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ عبداللہ بن لحی رحمہ اللہ نے ابن قرط رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا نہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) شیخ نبیل حفظہ اللہ نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ عبداللہ بن لحی رحمہ اللہ نے ابن قرط رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا نہیں لیکن صاحب فتویٰ نے بلا دلیل یہ بات کہہ دی کہ عبداللہ بن لحی کا سیدنا عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہو سکا۔

(۳) شیخ نبیل حفظہ اللہ نے زیر بحث حدیث کی بابت ائمہ کرام کے حکم کو نقل کیا اور بذاتِ خود کوئی حکم نہیں لگایا لیکن صاحب فتویٰ نے جھٹ سے حدیث پر ضعیف کا حکم لگا دیا اور ائمہ کرام کے حکم کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا۔

زیر بحث حدیث کی بابت دو اہم باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:

پہلی بات: ثور بن یزید الشامی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو راشد بن سعد الحمصی رحمہ اللہ سے سنا ہے جیسا کہ امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام ابو عاصم النبیل رحمہما اللہ نے اُن سے حدیث بیان کرتے ہوئے، راشد بن سعد الحمصی سے اُن کے سماع کو بیان کیا ہے۔

دیکھیں:[مسند احمد بتحقیق الا رنو ؤط ورفقائه:٤٢٧/٣١، ح:١٩٠٧٥، و جزء من احاديث القزاز عن شيوخه بتحقيق خلاف محمود، ح:١١٠٧]

اورامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶ھ) ثور بن یزید الشامی کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

"سَمِعَ خَالِد بُن مَعدان، وراشد بُن سعد".

"ثور بن یزید الشامی رحمہ اللہ نے خالد بن معدان اور راشد بن سعد رحمہما اللہ سے سنا ہے"۔[التاريخ الكبير بحواشي محمود خليل:١٨١/٢، ت:٢١٢٦]

دوسری بات: امام سلیمان بن احمد الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

"لَا يُرْوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ إِلَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، تَفَرَّدَ بِهِ ثَوْرٌ"

"یہ حدیث عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے اور ثور رحمہ اللہ اِس حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہیں"[المعجم الاوسط بتحقيق طارق بن عوض الله وغيره:٤٤/٣، ح:٢٤٢١]

راقم کہتا ہے کہ ثور بن یزید الشامی رحمہ اللہ ثقہ، ثبت، حافظ اور متقن راوی ہیں۔

دیکھیں:[مشاهير علماء الامصار لابن حبان بتحقيق مرزوق، ت:١٤٣٨، وتهذيب الكمال للمزى بتحقيق بشار عواد :٤١٨/٤، ت:٨٦٢و غيره]

اور اِس مقام کے راوی کا اِس طرح کا تفرد بلاشبہ مضر نہیں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بطور فائدہ دیکھیں:[تهذيب التهذيب لابن حجر:١٠/٢، ت:١٤، الناشر :مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند وغيره]

اخیر میں ایک گزارش:

فتویٰ دینے والے عالم دین سے گزارش ہے کہ آپ حدیث کے تعلق سے غور فکر کر کے فتویٰ دیں، ائمہ کرام کی تحقیق اور اُن کے تعامل کو دیکھ لیا کریں۔ اگر کسی کی تحقیق سے آپ متفق نہیں ہیں تو دلیل سے اپنی بات رکھیں اور سامنے والے کی تحقیق کا جواب بھی دلیل کے ساتھ دیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور ہدایت دینے والا ہے۔

خلاصۃ التحقیق:

حدیث:"اَعْظَمُ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ"، بلاشبہ ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

جاری ہے......

☆☆☆

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

دعا کی مقبول اور معروف کتاب حصن المسلم کا
جدید ایڈیشن ایڈیشن "صحیح اور ضعیف" احادیث کی تخریج کے ساتھ
تین زبان (اردو، رومن اردو، انگلش) میں پرنٹ ہو کر آچکا ہے۔

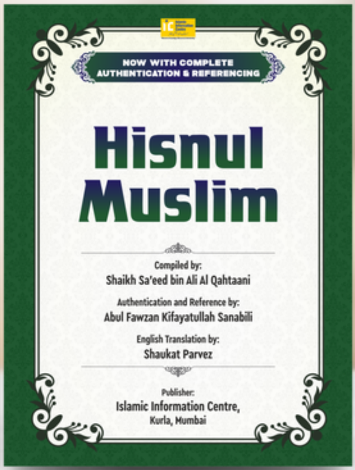

انگلش

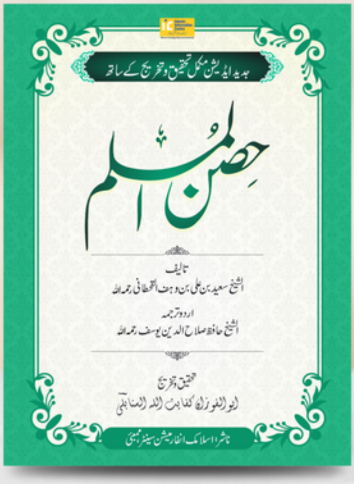

اردو

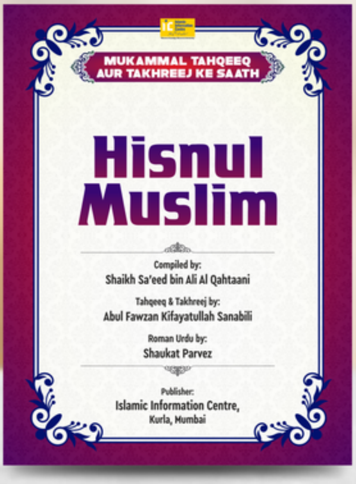

رومن اردو

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

70457 88254

iic mumbai | mumbaiiic | iic mumbai official

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge, Welcome to Understanding"

الحمد لله

طلاق کے موضوع پر اردو زبان میں ایک جامع کتاب

احکامِ طلاق

تالیف: أبو الفوزان كفايت الله السنابلي

چھپ کر آ چکی ہے۔

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں : 70457 88254

iic mumbai | mumbaiiic | iic mumbai official

If Undelivered Please Return To
Ahlus Sunnah
Managed by : ILM Foundation

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post